اس شمارے میں

حرفِ اوّل

حکمتِ دین کی اساسات — حافظ عاطف وحید — 2

مطالعۂ قرآن حکیم

تعارفِ قرآن (۳) — ڈاکٹر اسرار احمد — 3

فہم القرآن

ترجمہ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح — لطف الرحمٰن خان — 25

رجوع الی القرآن

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟ — اکبر شاہ خان نجیب آبادی — 38

ایمانیات

رسول اللہ ﷺ اور مقامِ عبدیت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 43

یادِ رفتگان

حافظ احمد یارؒ ' قرآن کا عالم وخادم — ڈاکٹر قاری محمد طاہر — 55

تعارف و تبصرہ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 61

حکمتِ قرآن

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر اسرار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر

حافظ عاطف وحید

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی ۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۴   محرم الحرام ۱۴۲۶ھ ۔ مارچ ۲۰۰۵ء   شمارہ ۳

شائع کردہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکمتِ دین کی اساسات

قرآن اللہ کا کلام ہے جسے اللہ نے بندوں کی ہدایت اور دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ اور پیمانہ بنا کر نازل فرمایا ہے۔ یہ کلام غیر مبدل اور غیر محرف ہے' زندہ و پائندہ ہے اور انسانوں سے ہم کلام ہے۔

اللہ نے اپنے کلام کے اسرار کی تشریح و توضیح کا مختلف طریقوں سے اہتمام کیا ہے۔ بہت سے معاملات کو قرآن ہی سے مفصل کیا ہے اور مضامین کے تکرار و اعادہ سے اسرارِ دینی کے ایک بہت بڑے خزانے تک رسائی ممکن بنا دی ہے۔ دوسرا ذریعہ ان اقوال و افعال اور بیانات کو بنا دیا جو کہ افضل المرسلین ﷺ سے صادر ہوئے ہیں۔ یہ اقوال و افعال جو کہ علم حدیث کا موضوع ہیں تاریکی میں چراغ اور ہدایت کے نشانات ہیں' اور گویا چودھویں رات کے تابناک چاند ہیں۔ جس نے ان کی پیروی کی اور ان کو محفوظ کر لیا وہ راہِ راست پر ہے۔ اسے اللہ کی طرف سے بڑے درجے کی خوبی عطا ہو گئی' اور جس نے ان سے صرفِ نظر کیا' یا ان کی اہمیت کو کم جانا وہ راہِ راست سے بہک گیا اور اپنے لئے بجز نقصان کے اور کچھ زیادہ نہ کیا۔

اسرارِ دین سے ہم آہنگ ہونے کے لئے کم سے کم دو بنیادی امور کا بہم ہونا ناگزیر ہے۔ ایک یہ کہ دین و شریعت کو ''کُل'' کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ اور ﴿اَلَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ﴾ کی رذالت سے اجتناب کیا جائے۔ کل دین میں سبھی پہلو ہیں۔ اس کا ایک ظاہر ہے جس کا تعلق انسانوں کے ظاہری وجود اور ظاہری معاملات سے ہے اور اس کا ایک باطن بھی ہے جو انسان کے باطن اور پوشیدہ صفات و علاقات سے متعلق ہے۔ اسی طرح دین جہاں انسانوں کے انفرادی وجود سے بحث کرتا ہے وہیں اجتماعیات کو بھی موضوع بناتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی زندگی کا ایک بڑا حصہ اجتماعیت کے مختلف شعبوں کا رہین ہے۔

دوسرا معاملہ دینی امور کے ضمن میں قواعدِ عقلیہ کا ہے۔ اس حوالے سے مسلمانوں میں

(باقی صفحہ 64 پر)

تعارفِ قرآن (۳)

از: ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن مجید کی ترکیب و تقسیم

آیات اور سورتوں کی تقسیم

بہت سی چیزوں سے مل کر کوئی شے مرکب بنتی ہے۔ قرآن کلام مرکب ہے۔ اس کی تقسیم سورتوں اور آیات میں ہے۔ پھر اس میں احزاب اور گروپ ہیں۔ عام تصورِ کتاب تو یہ ہے کہ اس کے ابواب ہوتے ہیں' لیکن قرآن حکیم پر ان اصطلاحات کا اطلاق نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے اپنی اصطلاحات خود وضع کی ہیں۔ ان اصطلاحات کی دنیا میں موجود کسی بھی کتاب کی اصطلاحات سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ جاحظ نے ایک بڑا خوبصورت عنوان قائم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرب اس سے تو واقف تھے کہ ان کے بڑے بڑے شعراء کے دیوان ہوتے تھے۔ سارا کلام کتابی شکل میں جمع ہو گیا تو وہ دیوان کہلایا۔ لہٰذا کسی بھی درجے میں اگر مثال اور تشبیہہ سے سمجھنا چاہیں تو دیوان کے مقابلے میں لفظ قرآن ہے۔ پھر دیوان بہت سے قصائد کا مجموعہ ہوتا تھا۔ ہمارے ہاں بھی کسی شاعر کا دیوان ہوگا تو اس میں قصائد ہوں گے' غزلیں ہوں گی' نظمیں ہوں گی۔ قرآن حکیم میں اس سطح پر جو لفظ ہے وہ سورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سورتوں پر مشتمل ہے۔ اگر کوئی نثر کی کتاب ہے تو وہ جملوں پر مشتمل ہوگی اور اگر نظم کی ہے تو وہ اشعار پر مشتمل ہوگی۔ اس کی جگہ قرآن مجید کی اصطلاح آیت ہے۔ شاعری میں اشعار کے خاتمے پر ردیف کے ساتھ ساتھ ایک لفظ قافیہ کہلاتا ہے اور غزل کے تمام

اشعار ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید پر بھی ہم عام طور پر اس لفظ کا اطلاق کر دیتے ہیں' اس لئے کہ قرآن مجید کی آیات میں بھی آخری الفاظ کے اندر صوتی آہنگ ہے۔ یہاں انہیں فواصل کہا جاتا ہے' قافیہ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا کہ کسی بھی درجے میں شعر کے ساتھ کوئی مشابہت نہ پیدا ہو جائے۔

قرآن مجید کا سب سے چھوٹا یونٹ آیت ہے۔ یعنی قرآن مجید کی ابتدائی اکائی کے لئے لفظ آیت اخذ کیا گیا ہے۔ آیت کے معنی نشانی کے ہیں۔ قرآنی آیت گویا اللہ کے علم و حکمت کی نشانی ہے۔ آیت کا لفظ قرآن مجید میں بہت سے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی۔ اس کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی قدرت' اس کے علم اور اس کی حکمت کی گواہی دے رہی ہے۔ گویا ہر شے اللہ کی نشانی ہے۔ پھر کچھ نشانیاں ہمارے اندر ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝﴾ (الذّٰریٰت) ''اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے۔ اور خود تمہارے اپنے وجود میں بھی۔ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟'' مزید فرمایا: ﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۵۳) ''عنقریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی' یہاں تک کہ اُن پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے''۔ انگریزی میں آیت کے لیے ہم لفظ verse بول دیتے ہیں' مگر verse تو شعر کو کہتے ہیں جبکہ قرآن کی آیات نہ تو شعر ہیں' نہ مصرعے ہیں' نہ جملے ہیں۔ پس بعینہٖ لفظ آیت ہی کو عام کرنا چاہیے۔ بہرحال کچھ آیاتِ آفاقی ہیں' یعنی اللہ کی نشانیاں' کچھ آیاتِ انفسی ہیں' وہ بھی اللہ کی نشانیاں ہیں اور آیاتِ قرآنیہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور علم کامل کی نشانیاں ہیں۔ یہ لفظ قرآن کی اکائی کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

جان لینا چاہیے کہ آیات کا تعین کسی گرامر' بیان یا نحو کے اصول پر نہیں ہے' اس میں کوئی اجتہاد داخل نہیں ہے' بلکہ اس کے لئے ایک اصطلاح ''توقیفی'' استعمال ہوتی

ہے یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کے بتانے پر موقوف ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آیات بہت طویل بھی ہیں۔ ایک آیت آیۃ الکرسی ہے جس میں مکمل دس جملے ہیں' لیکن بعض آیات حروفِ مقطعات پر بھی مشتمل ہیں۔ ﴿حٰمٓ ۝﴾ ایک آیت ہے' حالانکہ اس کا کوئی مفہوم معلوم نہیں ہے' عام زبان کے اعتبار سے اس کے معانی معین نہیں کیے جا سکتے۔ یہ تو حروف تہجی ہیں۔ اس کو مرکب کلام بھی نہیں کہہ سکتے' کیونکہ اس کو علیحدہ علیحدہ پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے یہ حروفِ مقطعات کہلاتے ہیں۔ ﴿حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝﴾ ان کو جمع نہیں کر سکتے' یہ توڑ توڑ کر علیحدہ علیحدہ پڑھے جائیں گے۔ اسی طرح ''الٓمّٓ'' کو ''اَلَمْ'' نہیں پڑھا جا سکتا۔ لیکن یہ بھی آیت ہے۔ اس ضمن میں ایک بات یاد رکھئے کہ جہاں حروفِ مقطعات میں سے ایک ایک حرف آیا ہے جیسے ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝﴾' ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝﴾' ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝﴾ یہاں ایک حرف پر آیت نہیں بنی' لیکن دو دو حروف پر آیتیں بنی ہیں۔ ''حٰمٓ'' قرآن میں سات جگہ آیا ہے اور یہ مکمل آیت ہے۔ الٓمّٓ آیت ہے۔ البتہ ''الٓرٰ'' تین حروف ہیں اور وہ آیت نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد کسی اصول' قاعدے یا اجتہاد پر نہیں ہے' بلکہ یہ امور کلیتہً توقیفی ہیں کہ حضور ﷺ کے بتانے سے معلوم ہوئے ہیں۔ البتہ پھر حضور ﷺ سے چونکہ مختلف روایات ہیں' اس لئے اس پہلو سے کہیں کہیں فرق واقع ہوا ہے۔ چنانچہ آیاتِ قرآنیہ کی تعداد متفق علیہ نہیں ہے۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ آیات کی تعداد چھ ہزار سے زائد ہے' لیکن بعض کے نزدیک کم و بیش ۶۲۱۶' بعض کے نزدیک ۶۲۳۶ اور بعض کے نزدیک ۶۶۶۶ ہے۔ اس کے مختلف اسباب ہیں۔ بعض سورتوں کے اندر آیات کے تعین میں بھی فرق ہے۔ لیکن یہ سب کسی کا اپنا اجتہاد نہیں ہے' بلکہ سب کے سب اعداد و شمار حضور ﷺ سے نقل ہونے کی بنیاد پر ہیں۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ آیت بسم اللہ قرآن حکیم میں ۱۱۳ مرتبہ سورتوں کے شروع میں آتی ہے (کیونکہ سورتوں کی کل تعداد ۱۱۴ ہے اور ان میں سے صرف ایک سورت سورۃ التوبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں آتی۔) اگر اس کو ہر مرتبہ شمار کیا جائے تو ۱۱۳ تعداد بڑھ جائے

جاتیں' ان کی فصلیں ختم ہو جاتیں۔ چنانچہ ہر حزب میں پوری پوری سورتیں جمع کی گئیں۔ اس طرح احزاب یا منزلوں کی مقداریں مختلف ہو گئیں۔ چنانچہ کچھ حزب کچھ حزب چھوٹے ہیں کچھ بڑے ہیں' لیکن ان کے اندر سورتوں کی فصلیں نہیں ٹوٹیں' یہ ان کا حسن ہے۔ غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شے بھی شاید اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ منزلوں کی تعیین بھی توقیفی ہے' لیکن منزلوں کی اس تقسیم میں ادبی اعتبار سے جو حسن پیدا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہی کا ایک مظہر ہے۔ سورۃ الفاتحہ کو الگ رکھ دیا جائے کہ یہ تو قرآن حکیم کا مقدمہ یا دیباچہ ہے تو اس کے بعد پہلا حزب یا منزل تین سورتوں (البقرۃ' آل عمران' النساء) پر مشتمل ہے۔ دوسری منزل پانچ سورتوں پر' تیسری منزل سات سورتوں پر' چوتھی منزل نو سورتوں پر' پانچویں منزل گیارہ سورتوں پر اور چھٹی منزل تیرہ سورتوں پر مشتمل ہے' جبکہ ساتویں منزل (حزبِ مفصل) جو کہ آخری منزل ہے' اس میں ۶۵ سورتیں ہیں۔ آخر میں سورتیں چھوٹی چھوٹی ہیں۔ یاد رہے کہ ۶۵ بھی ۱۳ کا multiple بنتا ہے (۶۵ = ۵×۱۳)۔ سورتوں کی تعداد جیسا کہ ذکر ہو چکا ۱۱۴ ہے۔ یہ تعداد متفق علیہ ہے' جس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

آج کل جو قرآن مجید حکومت سعودی عرب کے زیر اہتمام بہت بڑی تعداد میں بڑی خوبصورتی اور نفاست سے شائع ہوتا ہے' اس میں حزب کا لفظ بالکل ایک نئے معنی میں آیا ہے۔ انہوں نے ہر پارے کو دو حزب میں تقسیم کر لیا ہے' گویا نصف پارے کی بجائے لفظ حزب ہے۔ پھر وہ حزب بھی چار حصّوں میں منقسم ہے: رُبع الحزب' نصفُ الحزب اور پھر ثلاثۃُ ارباعِ الحزب۔ اس طرح انہوں نے ہر پارے کے آٹھ حصے بنا لیے ہیں۔ یہ لفظ حزب کا بالکل نیا استعمال ہے۔ اس کی کیا سند اور دلیل ہے اور یہ کہاں سے ماخوذ ہے' یہ میرے علم میں نہیں ہے۔

انسانی کلام حروف و اصوات سے مرتب ہوتا ہے اور ہر زبان میں حروفِ ہجائیہ ہوتے ہیں۔ پھر حروف مل کر کلمات بناتے ہیں۔ کلمات سے کلام وجود میں آتا ہے' خواہ

وہ کلام منظوم ہو یا نثر ہو۔ اسی طرح قرآن مجید کی ترکیب ہے۔ حروف سے مل کر کلمات بنے' کلمات نے آیات کی شکل اختیار کی' آیات جمع ہوئیں سورتوں کی شکل میں اور سورتیں جمع ہو گئیں منزلوں کی شکل میں۔

رکوعوں اور پاروں کی تقسیم

سورتوں کی پہلی تقسیم رکوعوں میں ہے۔ یہ تقسیم دورِ صحابہؓ اور دورِ نبویؐ میں موجود نہیں تھی۔ یہ تقسیمیں زمانہ مابعد کی پیداوار ہیں۔ رکوعوں کی تقسیم بڑی سورتوں میں کی گئی۔ ۳۵ سورتیں ایسی ہیں جو ایک ہی رکوع پر مشتمل ہیں' یعنی وہ اتنی چھوٹی ہیں کہ انہیں ایک رکعت میں آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے' لیکن بقیہ سورتیں طویل ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ۲۸۵ یا ۲۸۶ آیات ہیں اور اس کے ۴۰ رکوع ہیں۔ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپؐ نے ایک رات ان تین سورتوں (البقرۃ' آل عمران' النساء) کی منزل ایک رکعت میں مکمل کی ہے۔ لیکن یہ تو استثناءات کی بات ہے۔ عام طور پر تلاوت کی وہ مقدار جو ایک رکعت میں بآسانی پڑھی جا سکتی ہو ایک رکوع پر مشتمل ہوتی ہے۔ رکوع رکعت سے ہی بنا ہے۔ یہ تقسیم حجاج بن یوسف کے زمانے میں یعنی تابعین کے دور میں ہوئی ہے۔ لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ یہ تقسیم بڑی محنت سے معانی پر غور کرتے ہوئے کی گئی ہے کہ کسی مقام پر ایک مضمون مکمل ہو گیا اور دوسرا مضمون شروع ہو رہا ہے تو وہاں اگر رکوع کر لیا جائے تو بات ٹوٹے گی نہیں۔ اگرچہ ہمارے ہاں عام طور پر ائمہ مساجد پڑھے لکھے لوگ نہیں ہوتے' عربی زبان سے واقف نہیں ہوتے' لہٰذا اکثر ایسی تکلیف دہ صورتِ حال پیدا ہوتی ہے کہ وہ ایسی جگہ پر رکوع کر دیتے ہیں جہاں کلام کا ربط منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر اگلی رکعت میں وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے بات معنوی اعتبار سے بہت ہی گراں گزرتی ہے۔ رکوعوں کی تقسیم بالعموم بہت عمدہ ہے' لیکن چند ایک مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر یہ آیت یہاں سے ہٹا کر رکوع ماقبل میں شامل کی گئی ہوتی یا رکوع کا نشان اس آیت سے پہلے ہوتا تو معانی اور مفہوم کے اعتبار سے بہتر ہوتا۔ بہرحال اکثر و بیشتر رکوعوں کی تقسیم معنوی اعتبار سے صحیح ہے جو بڑی محنت سے گہرائی میں غور کر کے کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ ایک تقسیم پاروں کی شکل میں ہے۔ یہ تقسیم تو اور بھی بعد کے زمانے کی ہے اور بڑی بھونڈی تقسیم ہے' اس لیے کہ اس میں سورتوں کی فصیلیں توڑ دی گئی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کا جوشِ ایمان کم ہوا اور لوگوں نے معمول بنانا چاہا کہ ہر مہینے میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرلیں تب اُن کو ضرورت پیش آئی کہ اس کو تیس حصّوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے کسی نے غالباً یہ حرکت کی کہ اُس کے پاس جو مصحف موجود تھا اُس نے اس کے صفحے گن کر تیس پر تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح جہاں بھی صفحہ کٹ گیا وہیں نشان لگا دیا اور اگلا پارہ شروع ہو گیا۔ اس بھونڈی تقسیم کی مثال دیکھئے کہ سورۃ الحجر کی ایک آیت تیرہویں پارے میں ہے باقی پوری سورت چودھویں پارے میں ہے۔ ہمارے ہاں جو مصحف ہیں ان میں آپ کو یہی شکل نظر آئے گی۔ سعودی عرب سے جو قرآن مجید بڑی تعداد میں شائع ہو کر پوری دنیا میں پھیلا ہے' یہ اب پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اسی انداز سے شائع کیا جاتا ہے جس سے کہ ہم مانوس ہیں۔ البتہ اہل عرب کے لیے جو قرآن مجید شائع کیا جاتا ہے اس میں رموزِ اوقاف اور علاماتِ ضبط بھی مختلف ہیں اور اس میں چودھواں جزء سورۃ الحجر سے شروع کیا جاتا ہے۔ گویا وہ تقسیم جو ہمارے ہاں ہے اس میں انہوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے' اگرچہ پاروں کی تقسیم باقی رکھی ہے۔ بعض دوسرے عرب ممالک سے جو قرآن مجید شائع ہوتے ہیں۔ ان میں پاروں کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ کوئی متفق علیہ چیز نہیں ہے اور زمانہ تابعین میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے' یہ اس سے بہت بعد کی بات ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور حضرت عمران بن حصین ؓ سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)) اس حدیث کی رو سے بہترین ادوار تین ہی ہیں — دورِ صحابہؓ دورِ تابعین' پھر دورِ تبع تابعین۔ ان تین زمانوں کو ہم ''قرونٌ مشهودٌ لها بالخير'' کہتے ہیں۔ باقی اس کے بعد کا معاملہ حجت نہیں ہے' اس کی دین کے اندر کوئی مستقل اور دائمی اہمیت نہیں ہے۔

ترتیبِ نزولی اور ترتیبِ مصحف کا اختلاف

قرآن حکیم کی ترتیب کے ضمن میں پہلی بات جو بالکل متفق علیہ اور ہر شک وشبہ سے بالا ہے وہ یہ ہے کہ ترتیبِ نزولی بالکل مختلف ہے اور ترتیبِ مصحف بالکل مختلف ہے۔ اکثر و بیشتر جو سورتیں ابتدا میں نازل ہوئیں وہ آخر میں درج ہیں اور ہجرت کے بعد جو سورتیں نازل ہوئی ہیں (البقرۃ' آل عمران' النساء' المائدۃ) ان کو شروع میں رکھا گیا ہے۔ تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ترتیبِ نزولی اور ترتیبِ مصحف مختلف ہے۔

جہاں تک ترتیبِ نزولی کا تعلق ہے' اس سے ہر طالب علم کو دلچسپی ہوتی ہے جو قرآن مجید پر غور کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ ترتیبِ نزولی کے حوالے سے قرآن حکیم کے معانی اور مفاہیم کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ایک خاص پس منظر کے ساتھ سورتیں جڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ ابتدا میں کیا حالات تھے جن میں یہ سورتیں نازل ہوئیں' پھر حالات نے کیا پلٹا کھایا تو اگلی سورتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ترتیبِ نزولی کے حوالے سے قرآن حکیم کو مرتب کیا جائے تو ایک اعتبار سے وہ سیرت النبیؐ کی کتاب بن جائے گی۔ اس لیے کہ آغازِ وحی کے بعد سے لے کر آپؐ کے انتقال تک وہ زمانہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس پورے زمانے کے ساتھ قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کا جو مجموعی ربط ہے ترتیبِ نزولی کی مدد سے اسے سمجھنے اور غور وفکر کرنے میں مدد ملتی ہے۔ پس قرآن مجید کے ہر طالب علم کو اس سے دلچسپی ہونا سمجھ میں آتی ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ ؓ کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ انہوں نے ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے قرآن حکیم کو مرتب کیا تھا۔ حضرت علی ؓ کے بارے میں یہ بات بہت شد و مد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ انہوں نے بھی اس کو ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا تھا' اور عوام کی سطح پر یہ مشہور ہے کہ اہل تشیع اسی کو اصل اور مستند قرآن مانتے ہیں اور حضرت علی ؓ کا یہ مصحف ان کے بارہویں امام کے پاس ہے' جو ایک غار میں روپوش ہیں۔ قیامت کے قریب جب وہ ظاہر ہوں گے تب وہ اپنا یہ مصحف یعنی ''اصل

قرآن'' لے کر آئیں گے۔ گویا اہل تشیع یہ قرآن اُس وقت تک کے لیے ہی قبول کرتے ہیں۔ عام طور پر ان کی طرف یہی بات منسوب ہے' لیکن دورِ حاضر کے بعض شیعہ علماء اس تصور کے قائل نہیں ہیں۔ ایک شیعہ عالم دین سید ہادی علی نقوی نے بہت شدّ ومدّ کے ساتھ اس تصور کی نفی کی ہے اور کہا ہے کہ ''ہم اسی قرآن کو مانتے ہیں' یہی اصل قرآن ہے اور اسے من وعن محفوظ مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک کوئی آیت اس سے خارج نہیں ہوئی اور کوئی شے باہر سے بعد میں اس میں داخل نہیں ہوئی۔ یہی جو دو تختیوں کے مابین ہے' یہی درحقیقت قرآن ہے''۔

بہرحال اگر حضرت علی ؓ کے پاس ایسا کوئی مصحف تھا جسے آپ نے ترتیب نزولی کے مطابق مرتب کیا تھا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ علمی اور تحقیقی اعتبار سے قرآن حکیم پر غور وفکر کرنے کے لیے قرآن مجید کے بعض انگریزی تراجم میں بھی ترتیب نزولی کے اعتبار سے سورتوں کو مرتب کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔ (محمد عزۃ دروزۃ نے بھی اپنی تفسیر ''التفسیر الحدیث'' میں سورتوں کو نزولی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔) علمی اعتبار سے اس میں کوئی حرج نہیں' لیکن اصل حجیت ترتیب مصحف کی ہے۔ یہ ترتیب توقیفی ہے۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ترتیب ہے اور یہی ترتیب لوح محفوظ میں ہے۔ اصل قرآن تو وہی ہے۔ ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝﴾ (الواقعۃ) اور ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝﴾ (البروج) ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں جلال الدین سیوطی نے بہت ہی زور اور تاکید کے ساتھ کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر کوشش کر لیں تب بھی ترتیب نزولی پر قرآن کو مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس کے بارے میں ہمارے پاس مکمل معلومات نہیں ہیں۔ بہت سی سورتوں کے اندر بعد میں نازل ہونی والی آیات پہلے آ گئی ہیں اور شروع میں نازل ہونی والی بعد میں آئی ہیں۔ اس اعتبار سے ایک ایک آیت کے بارے میں معین کرنا اور اس کی ترتیب کے بارے میں اجماع ناممکن ہے۔ چنانچہ اصل مصحف وہی ہے جو ہمارے پاس ہے اور اس کی ترتیب بھی

توقیفی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے۔

اس ترتیب مصحف کے اعتبار سے اِس دور میں سورتوں کی ایک نئی گروپنگ کی طرف راہنمائی ہوئی ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے خاص طور پر اپنی توجہ کو نظم قرآن پر مرکوز کیا' آیات کا باہمی ربط تلاش کیا۔ نیز یہ کہ آیتوں کی وہ کون سی قدر مشترک ہے جس کی بناء پر ان کو سورتوں میں جمع کیا گیا—— پھر یہ کہ ہر سورۃ کا ایک عمود اور مرکزی مضمون ہے' بظاہر آیات غیر مربوط نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت اُن کے مابین ایک منطقی ربط موجود ہے اور ہر آیت اس سورۃ کے عمود کے ساتھ مربوط ہے—— مزید یہ کہ سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں—— ان چیزوں پر مولانا فراہیؒ نے زیادہ توجہ کی۔ مولانا اصلاحی صاحب نے اس بات کو مزید آگے بڑھایا ہے۔

اس ضمن میں ایک اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے' جسے رفع کر دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید کا یہ پہلو اس زمانے میں کیوں سامنے آیا اور اس سے پہلے اس پر غور کیوں نہیں ہوسکا؟ کیا ہمارے اسلاف قرآن مجید پر تدبر کا حق ادا نہیں کرتے تھے؟ اس اشتباہ کو اپنے ذہن میں نہ آنے دیں' اس لیے کہ قرآن مجید کی شان یہ ہے کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ حضور ﷺ کا اپنا قول ہے کہ "لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ"۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ کسی خاص دور کے محدثین' محققین' مفسرین قرآن مجید کے علم کا بتمام وکمال احاطہ کر چکے تو وہ سخت غلطی پر ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ قرآن مجید پر بھی طعن ہوتا اور خود حضورؐ کے اس قول کی بھی نفی ہوتی۔ یہ تو جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھے گا قرآن مجید کے عجائب' اس کی حکمتیں' اس کے علوم ومعارف کے نئے نئے خزانے برآمد ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ ہمارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ مطالعہ قرآن کے بعد ہم یہ محسوس کریں کہ ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کو سیکھا ہے اور بعد میں آنے والے اس میں سے کچھ اور بھی حاصل کریں گے' وہ ہمیشہ اس کے لیے کوشاں رہیں گے' اس میں غور وفکر اور تدبر کرتے رہیں گے اور نئے نئے علوم اور نئے نئے نکات اس میں سے برآمد ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہی زمانہ اس انکشاف کے لیے معین تھا' اور ظاہر بات ہے

کہ حکمتِ قرآنی کا جو بھی کوئی نیا پہلو دریافت ہوگا وہ کسی انسان ہی کے ذریعے سے ہو گا۔ لہٰذا اس کے لیے طبیعت کے اندر بُعد محسوس نہ کریں۔ بہرحال مولانا فراہیؒ نے نظم قرآن کو اپنا خصوصی موضوع بنایا۔ وہ تفسیر قرآن لکھنا چاہتے تھے مگر لکھ نہیں سکے' صرف چند سورتوں کی تفاسیر انہوں نے لکھی ہیں۔ ان میں سے بھی بعض نامکمل ہیں۔ وہ ایک مفکر قسم کے انسان تھے' مصنف قسم کے انسان نہیں تھے۔ مفکر انسان مسلسل غور کرتا رہتا ہے اور اس کے سامنے نئے نئے پہلو آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان کا تصنیف و تالیف کا انداز یہ تھا کہ انہوں نے مختلف موضوعات پر فائل کھول رکھے تھے۔ جب کوئی نیا خیال آتا تو کاغذ پر لکھ کر متعلقہ فائل میں شامل کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اکثر تصانیف ان کی وفات کے بعد کتابی شکل میں شائع ہوئی ہیں' جبکہ ان کے زمانے میں وہ صرف فائلوں کی شکل میں تھیں اور کسی شے کے چھپنے کی نوبت آئی ہی نہیں۔ سوچ و بچار کا تسلسل ان کے آخری لمحے تک جاری رہا۔ ''مقدمہ نظام القرآن'' واقعتاً ان کے فکر اور سوچ کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ اس ضمن میں ان کے شاگرد رشید امین احسن اصلاحی صاحب نے بات کو آگے بڑھایا ہے۔ نظم قرآن کے بارے میں ان حضرات کے نتیجۂ فکر کے چند نکات ملاحظہ ہوں:

(i) ہر سورت کا ایک عمود ہے' جیسے ایک ہار کی ڈوری ہے اور اس میں موتی پروئے ہوئے ہیں۔ یہ ڈوری دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتی' موتی نظر آتے ہیں' لیکن ان کو باندھنے والی شے تو ڈوری ہے جس میں وہ پروئے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون یا عمود ہے جس کے ساتھ اس کی تمام آیات مربوط ہیں۔

(ii) قرآن مجید کی اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی مضمون کا ایک رخ ایک سورت میں آجاتا ہے اور اسی کا دوسرا رخ اس جوڑے کے دوسرے حصے میں آکر مضمون کی تکمیل کر دیتا ہے۔ مولانا اصلاحی صاحب نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ البتہ جہاں تک اس اصول کے انطباق کا تعلق ہے اس میں اختلاف کی گنجائش ہے اور جو حضرات میرے دروس میں تسلسل سے شرکت کرتے رہے ہیں

انہیں معلوم ہے کہ مجھے بہت سے مواقع پر اصلاحی صاحب سے اختلاف بھی ہے' لیکن اصولاً یہ بات درست ہے کہ قرآن مجید کی اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ تاہم بعض سورتیں منفرد حیثیت کی مالک ہیں' ان کا جوڑا اس جگہ پر موجود نہیں ہے۔ اگرچہ میں نے تحقیق کی ہے کہ اکثر و بیشتر ایسی سورتوں کے جوڑے بھی معناً قرآن میں موجود ہیں۔ مثلاً سورۃ النور تنہا اور منفرد ہے' سورۃ الاحزاب بھی منفرد اور تنہا ہے' لیکن یہ دونوں آپس میں جوڑے ہیں اور ان میں جوڑے ہونے کی نسبت بتمام و کمال موجود ہے۔ اسی طرح سورۃ الفاتحہ منفرد ہے۔ وہ تو اس اعتبار سے بھی منفرد ہے کہ واقعتاً اس کا بتمام و کمال جوڑا بننا ممکن نہیں' وہ اپنی جگہ پر قرآن حکیم اور سَبعًا مِنَ المثَانِی ہے' لیکن سورۃ الناس میں غور کریں تو معناً یہ سورت سورۃ الفاتحہ کا جوڑا بنتی ہے۔ اس لیے کہ سورۃ الفاتحہ میں استعانت ہے اور سورۃ الناس میں استعاذہ۔ پھر سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی تین شانیں رَبّ' مَلِک' الٰہ ہیں اور یہی تین شانیں سورۃ الناس میں بھی ہیں۔

(iii) تلاوت کے لیے سات منزلوں کے علاوہ قرآن حکیم میں سورتوں کی ایک معنوی گروپنگ بھی ہے۔ اس اعتبار سے بھی سورتوں کے سات گروپ ہیں اور ہر گروپ میں مکی اور مدنی دونوں طرح کی سورتیں شامل ہیں۔ ہر گروپ میں ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتیں اور اس کے بعد ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتیں ہیں۔ ایک گروپ کی مکی اور مدنی سورتوں میں وہی نسبت ہے جو ایک جوڑے کی دو سورتوں میں ہوتی ہے۔ جیسے ایک مضمون کی تکمیل ایک جوڑے کی سورتوں میں ہوتی ہے' یعنی ایک رُخ ایک فرد میں اور دوسرا رُخ دوسرے فرد میں' اسی طرح ہر گروپ کا ایک مرکزی مضمون اور عمود ہے' جس کا ایک رُخ مکی سورتوں میں اور دوسرا رخ مدنی سورتوں میں آجاتا ہے۔ اس طرح غور و فکر اور تدبر کے نئے میدان کھل رہے ہیں۔ جو انسان بھی ان کا عمود معین کرنے میں غور و فکر کرے گا وہ کسی نتیجے پر پہنچے گا' اگرچہ عمود معین کرنے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑا گروپ پہلا ہے جس میں مکی سورت صرف ایک یعنی سورۃ الفاتحہ جبکہ مدنی سورتیں چار ہیں جو سوا چھ پاروں پر پھیلی ہوئی ہیں' یعنی سورۃ

البقرۃ' آل عمران' النساء اور المائدۃ۔ دوسرا گروپ اس اعتبار سے متوازن ہے کہ اس میں دو سورتیں مکی اور دو مدنی ہیں۔ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف مکیات ہیں' جبکہ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ مدنی ہیں۔ تیسرے گروپ میں سورۂ یونس سے سورۃ المؤمنون تک چودہ مکی سورتیں ہیں۔ یہ تقریباً سات پارے بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد ایک مدنی سورت ہے اور وہ سورۃ النور ہے۔ اس کے بعد چوتھے گروپ میں سورۃ الفرقان سے سورۃ السجدۃ تک مکیات ہیں' پھر ایک مدنی سورت سورۃ الاحزاب ہے۔ پانچویں گروپ میں سورۂ سبا سے سورۃ الاحقاف تک مکیات ہیں' پھر تین مدنی سورتیں' سورۂ محمد' سورۃ الفتح اور سورۃ الحجرات ہیں۔ اس کے بعد چھٹے گروپ میں پھر سورۂ ق سے سورۃ الواقعہ تک سات مکیات ہیں جن کے بعد پھر دس مدنیات ہیں (سورۃ الحدید تا سورۃ التحریم)۔ اسی طرح ساتویں گروپ میں بھی پہلے مکی سورتیں ہیں اور آخر میں دو مدنی سورتیں۔ اس طرح یہ سات گروپ بنتے ہیں۔ یہ گروپ مولانا اصلاحی صاحب کے مرتب کردہ ہیں۔ ان میں پہلا اور آخری گروپ اس اعتبار سے عکسی نسبت رکھتے ہیں کہ پہلے گروپ میں صرف ایک سورت سورۃ الفاتحہ مکی ہے اور سوا چھ پاروں پر مشتمل چار طویل ترین سورتیں مدنی ہیں' جبکہ آخری گروپ میں سورۃ الملک سے لے کر پورے دو پارے تقریباً مکیات پر مشتمل ہیں' آخر میں صرف دو سورتیں ''معوذتین'' مدنی ہیں۔ یعنی یہاں نسبت بالکل عکسی ہے۔ لیکن دوسرا گروپ بھی متوازن ہے' یعنی دو سورتیں مکی' دو مدنی —— اور چھٹا گروپ بھی متوازن ہے کہ اس میں سات سورتیں مکی ہیں (سورۃ ق سے سورۃ الواقعہ تک) جبکہ دس سورتیں مدنی ہیں (سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک) لیکن حجم کے اعتبار سے تقریباً برابر ہیں۔ یہ بھی غور و فکر اور سوچ بچار کا ایک موضوع ہے اور اس سے بھی قرآن مجید کی حکمت و ہدایت اور اس کے علم کے نئے نئے گوشے سامنے آ رہے ہیں۔

قرآن حکیم کی سورتوں کے جوڑے ہونے کا معاملہ قرآن مجید میں بعض جگہوں تو بہت ہی نمایاں ہے۔ ''المعوّذتین'' آخری دو سورتیں ہیں جو تعوذ پر مشتمل ہیں:

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴾۔ اسی طرح الزّھراوَین ''دونہایت تابناک سورتیں'' سورۃ البقرۃ اور آل عمران ہیں۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کو بھی ایک نام دیا جیسے آخری دو سورتوں کو ایک نام دیا۔ اسی طرح سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں اور سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح میں معنوی ربط ہے۔ سورۃ التحریم اور سورۃ الطلاق میں تو یہ ربط بہت ہی نمایاں ہے۔ دونوں سورتوں کا آغاز بالکل ایک جیسا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ اور ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ﴾۔ مضمون کے اندر بھی بڑی گہری مناسبت ہے۔ اس کے بعد سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کا جوڑا ہے۔ سورۃ الصّف سَبَّحَ لِلّٰهِ سے اور سورۃ الجمعہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ کے الفاظ سے شروع ہو رہی ہے۔ سورۃ الصّف کی مرکزی آیت جو رسول اللہ ﷺ کے مقصدِ بعثت کو معین کر رہی ہے ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ ہے، جبکہ سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت جو حضور ﷺ کے انقلاب کا اساسی منہاج معین کر رہی ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ہے۔ بہرحال سورتوں کا جوڑا ہونا، سورتوں کا گروپ کی شکل میں ہونا، ان گروپس کا اپنا ایک عمود اور ایک مرکزی مضمون ہونا، پھر اس کے دورخ بن جانا جو اُس کی مکیات اور مدنیات میں آتے ہیں، قرآن مجید کے علم و حکمت کے خزانے کے وہ دروازے ہیں جو اَب کھلے ہیں۔ اس طرح کے دروازے ہر دور میں کھلتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کھلتے رہیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید پر تذکر اور تدبر تسلسل کے ساتھ جاری رہنا چاہیے۔

پیچھے سات منزلوں اور سات احزاب کا ذکر ہو چکا۔ اب مکی اور مدنی سورتوں کے سات گروپس کا بیان ہوا۔ یہ دونوں قسم کے گروپ دو جگہ پر آ کر مل جاتے ہیں۔ پہلی منزل تو سورۃ النساء پر ختم ہو جاتی ہے اور پہلا گروپ سورۃ المائدۃ پر ختم ہوتا ہے۔ سورۃ التوبۃ پر دوسری منزل بھی ختم ہوتی ہے اور دوسرا گروپ بھی ختم ہوتا ہے۔ سورۂ یونس سے تیسری منزل شروع ہوتی ہے اور تیسرا گروپ بھی شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک

مقام اور ہے۔ سورۂ ق سے آخری منزل بھی شروع ہو رہی ہے اور اسی سے چھٹا گروپ بھی شروع ہو رہا ہے۔ سورۂ ق چھٹے گروپ کی پہلی مکی سورۃ ہے۔ یہ چھٹا گروپ سورۃ التحریم پر ختم ہو جاتا ہے اور آخری گروپ سورۃ الملک سے شروع ہوتا ہے' لیکن جو منزل سورۂ ق سے شروع ہوتی ہے وہ سورۃ الناس تک ایک ہی ہے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جو معلومات کے درجے میں سامنے رہیں اور ذہن میں موجود رہیں تو انسان جب غور کرتا ہے تو ان کے حوالے سے بعض اوقات حکمت کے بڑے قیمتی موتی ہاتھ لگتے ہیں۔

تدوین قرآن

قرآن مجید کی تدوین کے ضمن میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مکمل ہو گئی تھی۔ کسی شاعر کا دیوان اس کی غزلوں اور قصائد پر مشتمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس کی بھی تدوین ہوئی ہے۔ یہ بھی ایک دیوان کی شکل میں ہے' اس کو بھی جمع کیا گیا ہے۔ جمع و تدوین قرآن اپنی جگہ پر بہت اہم موضوع ہے۔ اس کے بارے میں خاص معلومات ہمارے ذہنوں میں ہر وقت مستحضر رہنی چاہئیں' کیونکہ عام طور پر اہل تشیع کے حوالے سے ہمارے ہاں جو چیزیں مشہور ہیں (واللہ اعلم وہ حقیقت پر مبنی ہیں یا محض مخالفین کا پراپیگنڈا ہے) ان کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں شبہات پیدا ہوئے ہیں اور وہ کافی بڑے حلقے کے اندر پھیلے ہیں۔

ہمارے ہاں جمعے کے خطبے جو مرتب کیے گئے ہیں اور عام خطیب پڑھتے ہیں' ان میں بھی ایسے الفاظ آ گئے ہیں جو بہت بڑے بڑے مغالطوں کی بنیاد بن گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی دشمن اسلام نے' کسی باطنی نے' کسی غالی قسم کے رافضی نے یہ الفاظ شامل کر دیئے ہوں۔ بظاہر تعریف ہو رہی ہے مگر حقیقت میں تنقیص ہو رہی ہے اور دین کی جڑ کاٹی جا رہی ہے۔ اس کی مثال بھی اسی تدوین کے ذیل میں آئے گی۔

قرآن حکیم کی تدوین تین مراحل میں مکمل ہوئی۔ پہلی تدوین رسول اللہ ﷺ کی

حیاتِ طیبہ میں ہو گئی تھی‘ لیکن وہ تدوین اس شکل میں تھی کہ سورتیں معین ہو گئیں‘ سورتوں کی ترتیب معین ہو گئی۔ کتابی شکل میں قرآن مجید حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں موجود نہیں تھا۔ لوگوں کے پاس مختلف حصّوں میں لکھا ہوا قرآن تھا۔ لوگ اونٹ کے شانے کی ہڈی (جو کافی چوڑی ہوتی ہے) پر لکھتے تھے یا کولہے کی ہڈی پر لکھا جاتا تھا۔ اونٹ کی پسلیاں (ribs) بھی بڑی چوڑی ہوتی ہیں‘ یہ بھی اس مقصد کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ کاغذ اس زمانے میں کہاں تھا‘ کپڑا زیادہ دستیاب تھا‘ لہٰذا کپڑے پر بھی لکھا جاتا تھا۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے پتھروں پر بھی آیات لکھ لیتے تھے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید کی اصل حیثیت ’’قول‘‘ کی ہے۔ ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴾ (الحاقّة) نہ تو یہ حضور ﷺ کو لکھی ہوئی شکل میں دیا گیا نہ حضور ﷺ نے لکھی ہوئی شکل میں اُمت کو دیا۔ حضور ﷺ کو بھی یہ پڑھایا گیا ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ﴾ (الاعلیٰ) ’’ہم آپ کو پڑھائیں گے‘ پھر آپ بھولیں گے نہیں‘‘۔ یہ اوّلاً قولِ جبرائیل‘ پھر قولِ محمد ﷺ بن کر لوگوں کے سامنے آیا۔ جبرائیل علیہ السلام سے حضور ﷺ نے سنا‘ حضورؐ سے صحابہؓ نے سنا۔ چنانچہ اصل میں تو قرآن پڑھی جانے والی شے ہے۔ لیکن جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا آپ اسے لکھوا بھی لیتے۔ بعض صحابہ کرام ؓ کتابتِ وحی کی ذمہ داری پر مامور تھے۔ اور حضور ﷺ نے اس بات کا حکم بھی دے دیا تھا کہ ((لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْآنِ)) ’’میری طرف سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو‘‘۔

احادیث کو لکھنے سے حضور ﷺ نے منع فرما دیا تھا تاکہ کہیں اللہ اور رسول کا کلام گڈمڈ نہ ہو جائے‘ صرف قرآن مجید کو ہی لکھنے کا حکم دیا۔ لیکن اصل قرآن اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے سینے میں جمع کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ؓ کے سینوں میں جمع کر دیا۔ وہ قول سے قول کی شکل میں گیا ہے‘ لوگوں نے حضور ﷺ کے دہن مبارک سے سیکھا ہے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ کے دور میں لکھا ہوا قرآن بھی تھا لیکن کتابی شکل میں جمع شدہ نہیں تھا۔ جمع شدہ شکل میں صرف سینوں میں تھا‘ حفاظ کو یاد تھا۔ انہیں یاد تھا

کہ قرآن اس ترتیب کے ساتھ ہے۔ اس کے لیے سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ صحیح روایات کے مطابق ہر رمضان المبارک میں جتنا قرآن اُس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا' حضور ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کا دَور کرتے تھے' جیسا کہ ہمارے ہاں رمضان کے آنے سے پہلے حفاظ دَور کرتے ہیں' ایک حافظ سناتا ہے' دوسرا سنتا ہے تاکہ تراویح میں سنانے کے لیے تازہ ہو جائے۔ تو رمضان المبارک میں حضور ﷺ اور حضرت جبرائیلؑ مذاکرہ کرتے تھے' قرآن مجید کا دورہ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی کے آخری رمضان میں آپؐ نے حضرت جبرائیلؑ سے قرآن مجید کا دو مرتبہ مکمل دَور کیا۔ چنانچہ جہاں تک حافظے میں اور سینے میں قرآن کا مدون ہو جانا ہے وہ تو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران مکمل ہو گیا تھا۔

تدوینِ قرآن کا دوسرا مرحلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آیا جب مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سے جنگیں ہوئیں۔ جنگ یمامہ میں تو بہت بڑی تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ یہ بڑی خون ریز جنگ تھی اور اس میں کثیر تعداد میں حفاظِ قرآن شہید ہو گئے تو تشویش پیدا ہوئی اور یہ خیال آیا کہ اس قرآن کو اب کتابی شکل میں جمع کر لینا چاہیے۔ یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہی تو وہ بڑے متردّد ہوئے کہ میں وہ کام کیسے کروں جو حضور ﷺ نے نہیں کیا! لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اصرار کرتے رہے اور رفتہ رفتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اس پر انشراحِ صدر ہو گیا۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب تمہاری اس بات کے لیے اللہ نے میرے سینے کو کشادہ کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر ڈالی گئی جو حضور ﷺ کے زمانے میں کاتب وحی تھے۔ آپ ﷺ کے چند خاص صحابہ جو کتابتِ وحی پر مامور تھے ان میں حضرت زید بن ثابتؓ بہت معروف تھے۔ ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم یہ کام کرو' اور ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ کی ایک کمیٹی تشکیل دے دی۔ وہ بھی پہلے بہت متردّد رہے۔ ان کی دلیل بھی یہ تھی کہ جو کام حضور ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں! علاوہ ازیں یہ

تو پہاڑ جیسی ذمہ داری ہے' یہ میں کیسے اٹھاؤں! لیکن جب حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں کا اصرار ہوا تو ان کا بھی سینہ کھل گیا۔ پھر جن صحابہؓ کے پاس قرآن حکیم کا جو حصہ بھی لکھی ہوئی شکل میں تھا' ان سے لیا گیا اور مختلف شہادتوں اور حفاظ کی مدد سے عہد صدیقی میں قرآن پاک کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر لیا گیا۔ یاد رہے کہ ایک کتاب کی شکل میں بھی قرآن مجید کی تدوین رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے دو سال کے اندر اندر مکمل ہو گئی۔ حضرت ابوبکر ؓ کا عہد خلافت کل سوا دو برس ہے۔

حضرت ابوبکر ؓ کی مجلس شوریٰ میں یہ مسئلہ بھی زیر غور آیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تو قرآن ایک جلد کے مابین جمع نہیں کیا گیا' لہٰذا اس کا نام کیا رکھا جائے! ایک تجویز یہ آئی کہ اسے بھی انجیل کا نام دیا جائے۔ ایک رائے یہ دی گئی کہ اس کا نام ''سِفر'' ہو' اس لیے کہ سفر کا لفظ توراۃ کی کتابوں کے لیے معروف چلا آ رہا تھا' جیسے سفر ایوب ایک کتاب تھی۔ تو سِفر کتاب کو کہتے ہیں جس کی جمع ''اَسفار'' ہے اور یہ لفظ قرآن میں بھی آیا ہے۔ سفر کا لفظی مطلب ہے روشنی دینے والی۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے تجویز پیش کی کہ اس کا نام ''مصحف'' ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ میرا آنا جانا حبشہ ہوتا ہے' وہاں کے لوگوں کے پاس ایک کتاب ہے اور وہ اسے مصحف کہتے ہیں۔ اب ''مصحف'' کے لفظ پر اتفاق و اجماع ہو گیا۔ چنانچہ قرآن کے لیے حضرت ابوبکر ؓ کے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی تجویز پر مصحف نام رکھا گیا اور اس پر لوگوں کا اجماع ہوا۔ تدوین قرآن کا یہ دوسرا مرحلہ ہے۔

قرآن حکیم کی تلاوت کے ضمن میں ایک معاملہ چلا آ رہا تھا' جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا تھا۔ عربوں کی زبان تو ایک تھی لیکن بولیاں مختلف تھیں' الفاظ کے لہجے مختلف تھے۔ تو سب لوگوں کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنے اپنے لہجے کے اندر قرآن پڑھ لیا کریں تاکہ سہولت رہے' ورنہ بڑی مشقت کی ضرورت تھی کہ سب لوگ اپنے لہجے بدلیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ انقلابی جدوجہد کا tempo اتنا تیز تھا کہ ان کاموں کے لیے زیادہ فرصت نہیں تھی کہ اس کے لیے

باقاعدہ ادارے قائم ہوں' مختلف جگہوں سے لوگ آئیں اور اپنا لہجہ بدل کر قریش کے لہجے کے مطابق کریں' حجازی لہجہ اختیار کریں۔ چنانچہ اجازت دی گئی تھی کہ اپنے اپنے لہجوں میں پڑھ لیں۔ مختلف لہجوں میں پڑھنے کے ساتھ کچھ لفظی فرق بھی آنے لگے۔ حضرت عثمان ؓ کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے نوبت یہ آ گئی کہ مختلف لہجوں میں لفظی فرق کے ساتھ بھی قرآن پڑھا جانے لگا۔ کوئی شخص قرآن پڑھ رہا ہوتا' دوسرا کہتا کہ یہ غلط پڑھ رہا ہے' یہ یوں نہیں ہے' جیسے میں پڑھ رہا ہوں وہ صحیح ہے۔ اس پر اس جذباتی قوم کے اندر تلواریں نکل آتی تھیں۔ اندیشہ ہوا کہ اگر اس طرح سے یہ بات پھیل گئی تو قرآن کا کوئی ایک ٹیکسٹ متفق علیہ نہیں رہے گا۔ امت کو جمع کرنے والی شے تو یہ قرآن ہی ہے' اس میں لفظی فرق کے نتیجے میں دائمی افتراق و انتشار پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان ؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے طے کیا کہ قرآن کا ایک ٹیکسٹ تیار کیا جائے۔ اس ٹیکسٹ کے لیے لفظ ''رسم'' ہے۔ رسم الخط کا لفظ ہم استعمال کرتے ہیں۔ ''ا ب ت'' حروف ہیں' لیکن عربی میں لکھے جائیں گے تو ان کا رسم الخط کچھ اور ہے' اردو میں لکھے جائیں گے تو ان کی شکل اور ہے۔ حضرت عثمانؓ نے ایک رسم الخط اور ایک ٹیکسٹ پر قرآن جمع کیا۔ انہوں نے بھی ایک کمیٹی بنائی اور اس کمیٹی کو یہ حکم دے دیا گیا کہ تمام لہجوں کو رد کر کے قریش کے لہجہ پر قرآن کا ٹیکسٹ تیار کیا جائے جو متفق علیہ ٹیکسٹ ہوگا۔ چنانچہ اس کمیٹی نے بڑی محنت شاقہ سے اس کام کی تکمیل کی۔ اس طرح قرآن کا رسم الخط معین ہو گیا اور ایک متفق علیہ ٹیکسٹ وجود میں آ گیا۔ رسم عثمانی کے مطابق سورۃ الفاتحہ میں ''ملك يوم الدين'' لکھا جائے گا' لکھنے کی شکل یہ نہیں ہوگی: ''مالك يوم الدين''۔ ایک قراءت میں چونکہ مَلِكِ بھی ہے تو ''ملك'' کو ''مٰلِكِ'' بھی پڑھا جا سکتا ہے اور ''مَلِكِ'' بھی۔ تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہے جو حضرت عثمان ؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے سرانجام دیا کہ قرآن کا ایک رسم الخط معین ہو گیا اور مصاحف عثمان تیار ہو گئے۔ بعض روایات کے مطابق اس کی چار نقول تیار کی گئیں' بعض روایات کے مطابق پانچ اور بعض میں سات کا عدد بھی ملتا ہے۔ ان میں سے ایک

مصحف official version کے طور پر مدینے میں رکھا گیا اور باقی نقلیں مکہ مکرمہ' دمشق' کوفہ' یمن' بحرین اور بصرہ کو بھیج دی گئیں۔ ان میں سے کوئی کوئی نقل اب بھی موجود ہے۔ ترکی اور تاشقند میں وہ ''مصاحفِ عثمانی'' موجود ہیں جو حضرت عثمان ؓ نے تیار کرائے تھے۔

یہاں ایک اہم بات توجہ طلب ہے کہ ہمارے ہاں خطباتِ جمعہ میں بعض خطیب یہ جملہ پڑھ جاتے ہیں: ''جامعُ آیاتِ القرآن عثمان بن عفان ؓ''۔ یہاں ہم قافیہ الفاظ جمع کر کے صوتی آہنگ کے ساتھ ایک خاص انداز پیدا کیا گیا ہے' لیکن یہ الفاظ اس قدر غلط اور اتنے گمراہ کن ہیں کہ اس سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ آیات قرآنیہ کو سب سے پہلے حضرت عثمان ؓ نے جمع کیا۔ یہ بات قرآن پر سے اعتماد کو ہٹا دینے والی ہے۔ آیاتِ قرآنیہ تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جمع ہو چکی تھیں' سورتیں حضورؐ کے زمانے میں وجود میں آ چکی تھیں' سورتوں کی تدوین ہی نہیں ترتیب بھی حضور ﷺ کے زمانے میں عمل میں آ چکی تھی۔ کتابی شکل میں قرآن ابوبکر ؓ کے زمانے میں جمع ہوا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں دس پندرہ سال کا فصل ہے۔ اگر ''جامعُ آیاتِ القرآن'' حضرت عثمان ؓ کو قرار دیا جائے تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ قرآن کی تدوین حضور ﷺ کے پندرہ یا بیس برس بعد ہوئی ہے۔ حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت بارہ برس ہے اور حضور ﷺ کے انتقال کے ۲۴ برس بعد ان کا انتقال ہوا۔ تو اس طرح قرآن کے متن (text) کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیے جا سکتے ہیں' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان ؓ آیاتِ قرآنی کے جمع کرنے والے نہیں ہیں بلکہ اُمت کو قرآن کے ایک ٹیکسٹ اور رسم الخط پر جمع کرنے والے ہیں۔ اسی لیے آج دنیا میں جو مصحف موجود ہے یہ ''مصحف عثمان'' کہلاتا ہے۔ اس کا نام ''مصحف'' حضرت ابوبکر ؓ نے رکھا تھا اور مصحف عثمان میں رسم الخط اور ٹیکسٹ معین ہو گیا کہ اب قرآن اسی طریقے سے لکھا جائے گا اور یہی پوری دنیا کے اندر official ٹیکسٹ ہے۔

ہمارے ہاں اکثر و بیشتر قرآن پاک کی اشاعت کے ادارے رسم عثمانی کا پورا اہتمام نہیں کرتے اور اس اعتبار سے ان میں رسم کی غلطیاں بھی آ جاتی ہیں' اس لیے کہ ان کے سامنے اپنے اپنے مفادات ہوتے ہیں یعنی کم خرچ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی کوشش ـــــ لیکن اب سعودی حکومت نے اس کا اہتمام کر کے بڑی نیکی کمائی ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت کے حوالے سے ایک نیکی مصر نے کمائی تھی۔ جب اسرائیل نے قراءتِ قرآن مجید کے اندر تحریف کر کے اس کو عام کرنے کی کوشش کی تو حکومت مصر نے اپنے چوٹی کے قراء' قاری محمود خلیل حُصری اور عبدالباسط عبدالصمد سے پورا قرآن مجید مختلف قراءتوں میں تلاوت کرایا اور ان کے کیسٹس تیار کر کے دنیا میں پھیلا دیئے کہ اب گویا وہ ریفرنس کا کام دیں گے۔ ان کے ہوتے ہوئے اب کسی کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اس طرح قراءت کے حوالے سے قرآن میں کوئی تحریف کر سکے۔ اسی طرح سعودی عرب کی حکومت نے کروڑوں روپے کے خرچ سے بہت بڑی فاؤنڈیشن بنائی ہے' جس کے زیر اہتمام بڑے عمدہ آرٹ پیپر پر عالمی معیار کی بڑی عمدہ جلد کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں یہ قرآن مجید چھاپے جا رہے ہیں' جو حضرت عثمان ؓ کے معین کردہ رسم الخط کے مطابق ہیں۔

بہرحال حضرت عثمان ؓ ''جامع آیات القرآن'' کی بجائے ''جامع الامّۃِ علی رسمٍ واحدٍ'' یعنی اُمت کو قرآن حکیم کے ایک رسم الخط پر جمع کرنے والے ہیں۔ یہ تدوین بھی حضور ﷺ کے انتقال کے ۲۴ برس کے اندر مکمل ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا مانتی ہے اور تمام مستشرق مانتے ہیں کہ جتنا خالص متن (pure text) قرآن کا دنیا میں موجود ہے' کسی دوسری کتاب کا موجود نہیں ہے۔ یہ بات ''الفضل ما شھدت بہ الاعداء'' کا مصداق ہے' یعنی فضیلت تو وہ ہے جس کو دشمن بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اور یہ کسی شے کی حقانیت کے لیے آخری ثبوت ہوتا ہے۔ پس یہ بات پوری دنیا میں مسلم ہے کہ قرآن حکیم کا ٹیکسٹ محفوظ ہے یا جتنا محفوظ ٹیکسٹ قرآن کا ہے

(باقی صفحہ 42 پر)

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

از: لطف الرحمٰن خان

نظر ثانی: حافظ نذیر احمد ہاشمی

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۳۲

﴿وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

و ص ی

وَصٰی (ض) وَصْیًا: کسی چیز کا کسی چیز سے پیوستہ ہونا' جیسے گھاس ایک دوسرے میں گتھی ہوتی ہے۔ کسی کام کے لئے کسی بات کا پیوستہ ہونا یعنی تاکید ہونا۔

وَصِیَّۃٌ: فَعِیْلَۃٌ کا وزن ہے۔ تاکید' وصیت۔ ﴿فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ﴾ (النساء:۱۱) ''تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے وصیت کے بعد' اس نے وصیت کی جس کی' یا قرض کے بعد۔''

اَوْصٰی (افعال) اِیْصَاءً: کسی بات یا کام کی تاکید کرنا' وصیت کرنا۔ ﴿وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا﴾ (مریم) ''اور اس نے تاکید کی مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی جب تک میں ہوں زندہ۔''

مُوْصٍ (اسم الفاعل): تاکید کرنے والا' وصیت کرنے والا۔ ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا﴾ (البقرۃ:۱۸۲) ''تو جو خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری

کا یا گناہ کا۔''

وَصّٰی (تفعیل) تَوْصِیَۃً : تاکید کرنا' وصیت کرنا۔ ﴿ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ ﴾ (لقمان:۱۴) ''اور ہم نے تاکید کی انسان کو اس کے والدین کے لئے۔''

تَوَاصٰی (تفاعل) تَوَاصِیًا : باہم ایک دوسرے کو تاکید کرنا۔ ﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ (العصر:۳) ''اور ان لوگوں نے باہم تاکید کی حق کی اور باہم تاکید کی صبر کی۔''

ترکیب : ''اِبْرٰھٖمُ'' اور ''یَعْقُوْبُ'' کی رفع بتا رہی ہے کہ یہ دونوں ''وَصّٰی'' کے فاعل ہیں۔ ''بِھَا'' کی ضمیر آیت ۱۳۰ کے لفظ ''مِلَّۃِ'' کے لئے ہے جبکہ ''بَنِیْہِ'' مفعول ہے۔ ''اَلدِّیْنَ'' پر لامِ تعریف ہے۔ ''وَاَنْتُمْ'' کا واؤ حالیہ ہے۔

ترجمہ

وَوَصّٰی :اور تاکید کی	بِھَآ :اس کی
اِبْرٰھٖمُ :ابراہیمؑ نے	بَنِیْہِ :اپنے بیٹوں کو
وَیَعْقُوْبُ :اور یعقوبؑ نے	یٰبَنِیَّ :اے میرے بیٹو!
اِنَّ اللّٰہَ :بیشک اللہ نے	اصْطَفٰی :چنا
لَکُمُ :تم لوگوں کے لئے	الدِّیْنَ :اِس دین کو
فَلَا تَمُوْتُنَّ :تو تم لوگ ہرگز نہ مرنا	اِلَّا وَ :مگر اس حال میں کہ
اَنْتُمْ :تم لوگ	مُّسْلِمُوْنَ :فرمانبرداری کرنے والے ہو

نوٹ (۱) : لفظ ''بَنِیْہِ'' کو سمجھ لیں۔ ''اِبْنٌ'' کی جمع حالت رفع میں ''بَنُوْنَ'' اور نصب و جر میں ''بَنِیْنَ'' آتی ہے۔ مفعول ہونے کی وجہ سے حالتِ نصب میں یہ ''بَنِیْنَ'' تھا۔ پھر مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا تو ''بَنِیْہِ'' استعمال ہوا۔ یہ بھی نوٹ کریں کہ حالانکہ یہ دو فاعلوں کا مفعول ہے لیکن پھر بھی اس کے مضاف الیہ کے طور پر تثنیہ کی ضمیر ''ھُمَا'' کے بجائے واحد کی ضمیر ''ہٗ'' آئی ہے۔ اس سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی۔ ترجمہ میں اس بات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے اس جانب بھی اشارہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین یا تین سے زیادہ بیٹے تھے۔

آیت ۱۳۳

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾

ح ض ر

حَضَرَ (ن) حُضُوْرًا: اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی شہر میں اقامت پذیر ہونا۔ اس کے ساتھ زیادہ تر دو معنی میں آتا ہے: (۱) کسی جگہ موجود ہونا۔ (۲) کسی کے سامنے ہونا یعنی حاضر ہونا۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ﴾ (النساء:۱۸) ''یہاں تک کہ جب سامنے آئے ان کے ایک کے موت' تو وہ کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں اب۔''

حَاضِرٌ: فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ موجود' حاضر۔ ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ (الکہف:۴۹) ''اور وہ لوگ پائیں گے اس کو جو انہوں نے عمل کئے' سامنے موجود۔''

حَاضِرَةٌ: یہ صفت حَاضِرٌ کی مؤنث بھی ہے اور اسم ذات بھی ہے۔ اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں کوئی بستی۔ کوئی شہر۔ ﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً﴾ (البقرۃ:۲۸۲) ''سوائے اس کے کہ وہ ہو کوئی حاضر تجارت۔'' ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ (الاعراف:۱۶۳) ''اور ان سے پوچھو اس بستی کے بارے میں جو تھی سمندر کی بستی یعنی سمندر کے کنارے۔''

اَحْضَرَ (افعال) اِحْضَارًا: کسی کو کسی کے سامنے لانا' حاضر کرنا۔ ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ﴾ (التکویر) ''جان لے گی ہر جان اس کو جو اس نے حاضر کیا۔''

مُحْضَرٌ (اسم المفعول): حاضر کیا ہوا۔ ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا﴾ (آل عمران:۳۰) ''اس دن پائے گی ہر ایک جان اس کو جو اس نے عمل کیا کسی نیکی میں سے' حاضر کیا ہوا۔''

اِحْتَضَرَ (افتعال) اِحْتِضَارًا: اہتمام سے سامنے کرنا' یعنی باری باری سامنے کرنا۔

مُحْتَضَرٌ (اسم المفعول): سامنے کیا ہوا۔ ﴿وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ﴾ (القمر) ''اور ان کو خبر دو کہ پانی بانٹا ہے ان کے مابین' پینے کی باری پر ہر ایک سامنے کیا ہوا ہے۔''

ترکیب : ''کُنْتُمْ'' کا اسم اس میں شامل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''شُهَدَآءَ'' اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''حَضَرَ'' کا مفعول ''یَعْقُوْبَ'' ہے اور فاعل ''اَلْمَوْتُ'' ہے۔ ''مَا'' استفہامیہ مبتدأ ''تَعْبُدُوْنَ'' خبر اور ''مِنْ بَعْدِیْ'' متعلق خبر ہے۔ ''نَعْبُدُ'' کا مفعول ''اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ'' ہے۔ اس میں ''اٰبَائِكَ'' کا بدل ''اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ'' ہیں اور ''اِلٰهَ'' کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہیں۔ جبکہ ''اِلٰهًا وَّاحِدًا'' لفظ ''اِلٰهَ'' کا بدل ہے۔

ترجمہ

اَمْ كُنْتُمْ : یا تم لوگ	شُهَدَآءَ : موقع پر موجود تھے
اِذْ حَضَرَ : جب سامنے آئی	یَعْقُوْبَ : یعقوبؑ کے
اَلْمَوْتُ : موت	اِذْ قَالَ : جب انہوں نے کہا
لِبَنِيْهِ : اپنے بیٹوں سے	مَا : کس کی
تَعْبُدُوْنَ : تم لوگ عبادت کرو گے	مِنْ بَعْدِیْ : میرے بعد
قَالُوْا : ان لوگوں نے کہا	نَعْبُدُ : ہم لوگ عبادت کریں گے
اِلٰهَكَ : آپ کے الٰہ کی	وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ : اور آپ کے آباء کے الٰہ کی
اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ : ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ (کے الٰہ کی)	اِلٰهًا وَّاحِدًا : جو کہ واحد الٰہ ہے
وَنَحْنُ لَهٗ : اور ہم لوگ اس کی ہی	مُسْلِمُوْنَ : فرمانبرداری کرنے والے ہیں

آیت ۱۳۴

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

ترکیب : ''تِلْكَ'' مبتدأ جبکہ ''اُمَّةٌ'' خبر ہے اور نکرہ موصوفہ ہے۔ ''قَدْ خَلَتْ'' اس کی صفت ہے۔ ''مَا'' موصولہ ہے اور ''كَسَبَتْ'' اس کا صلہ ہے۔ صلہ موصول مل کر مبتدأ ہیں۔ اس کی خبر ''وَاجِبٌ'' محذوف ہے اور ''لَهَا'' قائم مقام خبر مقدم ہوتی ہے۔ ''تُسْـَٔلُوْنَ'' مضارع مجہول ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے۔

ترجمہ

تِلْكَ : وہ — اُمَّةٌ : ایک امت ہے جو

قَدْ خَلَتْ : گزر چکی ہے — لَهَا : اس کے لئے ہی ہے

مَا كَسَبَتْ : وہ جو اس نے کمایا — وَلَكُمْ : اور تم لوگوں کے لئے ہی ہے

مَّا كَسَبْتُمْ : وہ جو تم لوگوں نے کمایا — وَلَا تُسْئَلُوْنَ : اور تم لوگوں سے نہیں پوچھا جائے گا

عَمَّا : اس کے بارے میں جو — كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ : وہ لوگ کیا کرتے تھے

نوٹ (۱) : یہ بات تو ہم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے نیک اعمال کے ثواب میں اور برے اعمال کے گناہ میں ہمارے آباء واجداد کا خصوصاً والدین کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ لیکن اس آیت کے حوالہ سے اب یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ آباء واجداد کی نیکیوں کے ثواب میں اور ان کی برائیوں کے گناہ میں ہم لوگوں کا یعنی اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

آیت ۱۳۵

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

ح ن ف

حَنُفَ (ک) حَنَافَةً : (۱) ٹیڑھے پیر والا ہونا (ٹیڑھا پیر کسی طرف نہیں مڑتا اور ہمیشہ ایک رخ پر ہوتا ہے)۔ (۲) ہر طرف سے کٹ کر کسی ایک سمت میں یکسو ہونا۔

حَنِيْفٌ ج حُنَفَاءُ : فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں یکسو۔ ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا﴾ (الانعام:۷۹) ''بیشک میں نے متوجہ کیا اپنے چہرے کو اس کے لئے جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو' یکسو ہوتے ہوئے۔'' ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ﴾ (البینۃ:۵) ''اور ان لوگوں کو حکم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ وہ لوگ عبادت کریں اللہ کی' خالص کرنے والا ہوتے ہوئے اس کے لئے نظامِ حیات کو' یکسو ہوتے ہوئے۔''

ش ر ك

شَرِكَ (س) شَرِكًا : کسی چیز یا کام میں کسی کا ساجھی ہونا۔ حصہ دار ہونا۔

شِرْكٌ (اسم ذات): حصہ' ساجھا' شرکت۔ اَرُوْنِیْ مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ (فاطر:۴۰) ''تم لوگ دکھاؤ مجھ کو کیا تخلیق کیا ان لوگوں نے زمین میں یا ان کے لئے ہے کوئی ساجھا آسمان میں؟''

شَرِیْكٌ ج شُرَكَاءُ: فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں حصہ دار۔ ساجھے دار۔ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (الفرقان:۲) ''اور ہے ہی نہیں اس کے لئے کوئی ساجھے دار بادشاہت میں۔'' فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ (النساء:۱۲) ''پس اگر وہ لوگ اس سے زیادہ ہیں تو وہ لوگ حصہ دار ہیں تہائی میں۔''

اَشْرَكَ (افعال) اِشْرَاكًا: کسی کو کسی کا حصہ دار یا ساجھی بنانا یا قرار دینا۔ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا (الکہف:۳۸) ''اور میں ساجھی قرار نہیں دیتا اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو۔''

شِرْكٌ: یہ ثلاثی مجرد میں اسم ذات بھی ہے اور باب افعال کے مصدر کے طور پر بھی آتا ہے۔ البتہ باب افعال میں اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنے کے معنی میں مخصوص ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان:۱۳) ''بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک قرار دینا ایک عظیم ظلم ہے''۔

اَشْرِكْ (فعل امر): تو ساجھی بنا' تو حصہ دار بنا۔ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ۔ (طٰہٰ) ''اور تو ساجھی بنا اس کو میرے کام میں۔''

مُشْرِكٌ (اسم الفاعل): ساجھی بنانے والا' شرک کرنے والا۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبۃ:۲۸) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ شرک کرنے والے پلید ہیں۔''

شَارَكَ (مفاعلہ) مُشَارَكَةٌ: باہم ایک دوسرے کا حصہ دار بننا۔ شریک ہونا۔

شَارِكْ (فعل امر): تو حصہ دار بن' شریک ہو۔ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (بنی اسرائیل ۶۴) ''اور تو شریک ہو ان کے ساتھ مال میں اور اولاد میں۔''

اِشْتَرَكَ (افتعال) اِشْتِرَاكًا: اہتمام سے شریک ہونا۔

مُشْتَرِكٌ (اسم الفاعل): شریک ہونے والا۔ فَاِنَّهُمْ یَوْمَئِذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ۔ (الصّٰفّٰت) ''پس یقیناً وہ لوگ اس دن عذاب میں شریک ہونے والے ہیں۔''

ترکیب ''كُوْنُوْا'' كَانَ کا فعل امر ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر

ہے اور "هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی" اس کی خبر ہے۔ "تَهْتَدُوْا" جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ "بَلْ" سے پہلے "كَلَّا" محذوف ہے۔ "مِلَّةَ اِبْرٰهِمَ" مرکب اضافی ہے اور اس کے مضاف "مِلَّةَ" کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ کسی محذوف فعل کا مفعول ہے جو "نَتَّبِعُ" یا "اِتَّبِعُوْا" ہوسکتا ہے۔ "حَنِيْفًا" کا "اِبْرٰهِم" سے حال ہونا قیاساً ضعیف ہے کیونکہ ابراہیم مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ سے حال ہونا قلیل الاستعمال ہے۔ لہٰذا یا تو "اِتَّبِعُوْا" یا "نَتَّبِعُ" فعل محذوف کی ضمیر فاعلی سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور یا فعل محذوف "اعنی" کا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ "مَا كَانَ" میں "كَانَ" کا اسم اس میں شامل "هُوَ" کی ضمیر ہے جو ابراہیمؑ کے لئے ہے۔ "مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" كَانَ کی خبر ہے۔

ترجمہ

وَقَالُوْا : اور ان لوگوں نے کہا	تَكُوْنُوْا : تم لوگ ہو جاؤ
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی : یہودی یا عیسائی	تَهْتَدُوْا : تو تم لوگ ہدایت پاؤ گے
قُلْ : آپؐ کہیے	بَلْ : (ہرگز نہیں) بلکہ
مِلَّةَ اِبْرٰهِمَ : (پیروی کرو) ابراہیمؑ کے دین کی	حَنِيْفًا : یکسو ہوتے ہوئے
وَمَا كَانَ : اور وہ نہیں تھے	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ : شرک کرنے والوں میں سے

نوٹ (۱) : اس کا یہ مطلب نہیں کہ چاہے یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ ہدایت پاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو گے تو ہدایت پاؤ گے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی ہو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ دونوں کے اقوال کو یہاں یکجا نقل کیا گیا ہے۔

آیت ۱۳۶

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

س ب ط

سَبِطَ (س) سَبَطًا : بالوں کا سیدھا اور دراز ہونا۔

شِرْكٌ (اسم ذات): حصہ' ساجھا' شرکت۔ اَرُوْنِیْ مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ (فاطر:۴۰) ''تم لوگ دکھاؤ مجھ کو کیا تخلیق کیا ان لوگوں نے زمین میں یا ان کے لئے ہے کوئی ساجھا آسمان میں؟''

شَرِیْكٌ ج شُرَكَاءُ: فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں حصہ دار۔ساجھے دار۔ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (الفرقان:۲) ''اور ہے ہی نہیں اس کے لئے کوئی ساجھے دار بادشاہت میں۔'' فَاِنْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ (النساء:۱۲) ''پس اگر وہ لوگ اس سے زیادہ ہیں تو وہ لوگ حصہ دار ہیں تہائی میں۔''

اَشْرَكَ (افعال) اِشْرَاكًا: کسی کو کسی کا حصہ دار یا ساجھی بنانا یا قرار دینا۔ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّیْ اَحَدًا (الکہف:۳۸) ''اور میں ساجھی قرار نہیں دیتا اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو۔''

شِرْكٌ: یہ ثلاثی مجرد میں اسم ذات بھی ہے اور بابِ افعال کے مصدر کے طور پر بھی آتا ہے۔ البتہ باب افعال میں اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنے کے معنی میں مخصوص ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان:۱۳) ''بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک قرار دینا ایک عظیم ظلم ہے''۔

اَشْرِكْ (فعل امر): تو ساجھی بنا' تو حصہ دار بنا۔ وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ۔ (طٰہٰ) ''اور تو ساجھی بنا اس کو میرے کام میں۔''

مُشْرِكٌ (اسم الفاعل): ساجھی بنانے والا' شرک کرنے والا۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبۃ:۲۸) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ شرک کرنے والے پلید ہیں۔''

شَارَكَ (مفاعلہ) مُشَارَكَةٌ: باہم ایک دوسرے کا حصہ دار بننا۔ شریک ہونا۔

شَارِكْ (فعل امر): تو حصہ دار بن' شریک ہو۔ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (بنی اسرائیل ۶۴) ''اور تو شریک ہو ان کے ساتھ مال میں اور اولاد میں۔''

اِشْتَرَكَ (افتعال) اِشْتِرَاكًا: اہتمام سے شریک ہونا۔

مُشْتَرِكٌ (اسم الفاعل): شریک ہونے والا۔ فَاِنَّهُمْ یَوْمَئِذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ۔ (صٰفّٰت) ''پس یقیناً وہ لوگ اس دن عذاب میں شریک ہونے والے ہیں۔''

ترکیب ''كُوْنُوْا'' كَانَ کا فعل امر ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر

ہے اور ''هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی'' اس کی خبر ہے۔ ''تَهْتَدُوْا'' جوابِ امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ ''بَلْ'' سے پہلے ''كَلَّا'' محذوف ہے۔ ''مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ'' مرکب اضافی ہے اور اس کے مضاف ''مِلَّةَ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ کسی محذوف فعل کا مفعول ہے' جو ''نَتَّبِعُ'' یا ''اِتَّبِعُوْا'' ہوسکتا ہے۔ ''حَنِيْفًا'' کا ''اِبْرٰهٖم'' سے حال ہونا قیاساً ضعیف ہے' کیونکہ ابراہیم مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ سے حال ہونا قلیل الاستعمال ہے۔ لہٰذا یا تو ''اِتَّبِعُوْا'' یا ''نَتَّبِعُ'' فعل محذوف کی ضمیر فاعلی سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور یا فعل محذوف ''اعنی'' کا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ ''مَا كَانَ'' میں ''كَانَ'' کا اسم اس میں شامل ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ابراہیمؑ کے لئے ہے۔ ''مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ'' كَانَ کی خبر ہے۔

ترجمہ

وَقَالُوْا: اور ان لوگوں نے کہا	كُوْنُوْا: تم لوگ ہو جاؤ
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی: یہودی یا عیسائی	تَهْتَدُوْا: تو تم لوگ ہدایت پاؤ گے
قُلْ: آپ کہئے	بَلْ: (ہرگز نہیں) بلکہ
مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ: (پیروی کرو) ابراہیمؑ کے دین کی	حَنِيْفًا: یکسو ہوتے ہوئے
وَمَا كَانَ: اور وہ نہیں تھے	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: شرک کرنے والوں میں سے

نوٹ (۱): اس کا یہ مطلب نہیں کہ چاہے یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ' ہدایت پاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو گے تو ہدایت پاؤ گے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی ہو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ دونوں کے اقوال کو یہاں یکجا نقل کیا گیا ہے۔

آیت ۱۳۶

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

س ب ط

سَبِطَ (س) سَبَطًا: بالوں کا سیدھا اور دراز ہونا۔

سِبْطٌ ج اَسْبَاطٌ : اولاد کی اولادیں یعنی پوتے' نواسے اور ان کی اولاد۔ نسل۔

(آیت زیرِ مطالعہ)

ترکیب : ''قُوْلُوْا'' فعل امر ہے۔ ''اٰمَنَّا بِاللّٰہِ'' میں لفظ اللہ پر جو حرف جارہ ''بِ'' ہے' یہ آگے چاروں جگہ لفظ ''مَا'' سے پہلے محذوف ہے' یعنی وہ دراصل ''بِمَا'' ہیں۔ ''اِبْرٰھٖمَ'' سے لے کر ''وَالْاَسْبَاطِ'' تک تمام الفاظ ''اِلٰی'' کے زیر اثر حالتِ جر میں ہیں۔ ''اُوْتِیَ'' باب افعال کا ماضی مجہول ہے۔ ''مُوْسٰی' عِیْسٰی'' اور ''النَّبِیُّوْنَ'' اس کے نائب فاعل ہونے کی وجہ سے حالتِ رفع میں ہیں۔ ''نَحْنُ'' مبتدأ' ''مُسْلِمُوْنَ'' خبر اور ''لَهٗ'' متعلق خبر مقدم ہے تاکید کے لئے۔ ''لَهٗ'' میں ''ہٗ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

ترجمہ

قُوْلُوْآ : تم لوگ کہو	اٰمَنَّا : ہم لوگ ایمان لائے
بِاللّٰہِ : اللہ پر	وَمَآ : اور اس پر جو
اُنْزِلَ : اتارا گیا	اِلَیْنَا : ہماری طرف
وَمَآ : اور اس پر جو	اُنْزِلَ : اتارا گیا
اِلٰی اِبْرٰھٖمَ : ابراہیمؑ کی طرف	وَاِسْمٰعِیْلَ : اور اسمٰعیلؑ کی طرف
وَاِسْحٰقَ : اور اسحاقؑ کی طرف	وَیَعْقُوْبَ : اور یعقوبؑ کی طرف
وَالْاَسْبَاطِ : اور ان کی نسل کی طرف	وَمَآ : اور اس پر جو
اُوْتِیَ مُوْسٰی : دیا گیا موسیٰؑ کو	وَعِیْسٰی : اور عیسیٰؑ کو
وَمَآ : اور اس پر جو	اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ : دیا گیا انبیاءؑ کو
مِنْ رَّبِّھِمْ : ان کے رب کی جانب سے	لَا نُفَرِّقُ : ہم فرق نہیں کرتے
بَیْنَ اَحَدٍ : کسی ایک کے مابین	مِّنْھُمْ : ان میں سے
وَنَحْنُ لَهٗ : اور ہم اس کے ہی	مُسْلِمُوْنَ : فرمانبردار ہیں

آیت ۱۳۷

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ

شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

ک ف ی

كَفٰى (ض) كِفَايَةً: (۱) کسی ضرورت کی تکمیل کے لئے دوسروں سے بے نیاز ہونا۔ کافی ہونا (لازم۔ اس مفہوم میں عموماً اس کے فاعل پر ''بَا'' زائدہ آتا ہے' یعنی اس کے کوئی معنی نہیں ہوتے' جیسے ''مَا'' اور ''لَيْسَ'' کی خبر پر آتا ہے)۔ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾﴾ (النساء) ''اور کافی ہے اللہ بطور مددگار کے''۔ (۲) کسی کو کسی سے بے نیاز کرنا (متعدی۔ اس مفہوم میں اس کے دو مفعول درکار ہوتے ہیں: کس کو بے نیاز کیا اور کس سے بے نیاز کیا۔ اور عموماً دونوں بنفسہ آتے ہیں)۔ ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾﴾ (الحجر) ''بیشک ہم نے بے نیاز کیا آپؐ کو مذاق اڑانے والوں سے''۔

كَافٍ (اسم الفاعل): کافی ہونے والا' بے نیاز کرنے والا۔ ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (الزمر:۳۶) ''کیا اللہ بے نیاز کرنے والا نہیں ہے اپنے بندے کو؟''

ترکیب: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ'' شرط ہے اور ''فَقَدِ اهْتَدَوْا'' جواب شرط ہے۔ اسی طرح ''وَاِنْ تَوَلَّوْا'' شرط ہے اور ''فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ'' جواب شرط ہے۔

''اٰمَنُوْا' اِهْتَدَوْا'' اور ''تَوَلَّوْا'' کے فاعل ان میں شامل ''هُمْ'' کی ضمیریں ہیں جو آیت نمبر ۱۳۵ میں مذکور یہود و نصاریٰ کے لئے ہیں۔ ''بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ''۔ ''بَا'' زائدہ ہے اور مثل مصدر محذوف ''اِيْمَانًا'' کی صفت ہے۔ ''مَا'' مصدریہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا مِثْلَ اِيْمَانِكُمْ''۔ یا ''مِثْل'' زائد ہے اور ''مَا'' بمعنی ''الَّذِيْ'' ہے اور عبارت یوں ہے: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْ اٰمَنْتُمْ بِهٖ''۔ ''هُمْ'' مبتدأ ہے' اس کی خبر محذوف ہے جو ''قَائِمٌ'' یا ''رَاسِخٌ'' ہو سکتی ہے' جبکہ ''فِيْ شِقَاقٍ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''سَيَكْفِيْ'' کا فاعل ''اَللّٰهُ'' ہے۔ اس کا مفعولِ اوّل ''كَ'' کی ضمیر ہے جو حضور ﷺ کے لئے ہے اور مفعول ثانی ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو یہود و نصاریٰ کے لئے ہے۔

ترجمہ

فَاِنْ اٰمَنُوْا: پس اگر وہ لوگ ایمان لائیں — بِمِثْلِ مَا: اس کے مانند
اٰمَنْتُمْ: تم لوگ ایمان لائے — بِهٖ: جیسے
فَقَدِ اهْتَدَوْا: تو ان لوگوں نے ہدایت پالی — وَاِنْ تَوَلَّوْا: اور اگر وہ لوگ اعراض کریں

فَاِنَّمَا : تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
فِیْ شِقَاقٍ: مخالفت کرنے میں (اڑے ہوئے) ہیں
اللّٰہُ : اللہ
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ: ہر حال میں سننے والا جاننے والا ہے

هُمْ : وہ لوگ
فَسَیَکْفِیْکَهُمُ: تو بے نیاز کرے گا آپؐ کو ان سے
وَهُوَ : اور وہی

نوٹ (۱) : آیت ۱۳۳ میں جو بات ﴿کَمَا اٰمَنَ النَّاسُ﴾ کے الفاظ میں کہی گئی تھی وہی بات اس آیت میں ﴿بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾ کے الفاظ میں کہی گئی ہے۔ اس حوالہ سے یہ بات دوبارہ ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس وہی ایمان مقبول ہے جو صحابۂ کرام ؓ کے ایمان جیسا ہو۔ غیر مستند اور خود ساختہ توہمات پر ایمان لانا نیکی نہیں ہے۔ ان کو قرآن مجید میں ''اٰمَانِی'' کہا گیا ہے۔

آیت ۱۳۸

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾

ص ب غ

صَبَغَ (ف) صَبْغًا : کسی پر کوئی رنگ چڑھانا۔ بپتسمہ دینا۔ مذہب میں پختہ کرنا۔
صِبْغَةٌ : مذہب کا رنگ' بپتسمہ کا رنگ' دین (آیت زیر مطالعہ)
صِبْغٌ : سالن یا سرکہ وغیرہ (کیونکہ ان میں پانی پر کوئی رنگ چڑھ جاتا ہے)۔ ﴿تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ﴾ (المؤمنون:۲۰) ''وہ اُگتا ہے چکنائی کے ساتھ اور سالن کے ساتھ کھانوں والوں کے لئے۔''

ترکیب : ''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' میں مضاف کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ مرکب اضافی مفعول ہے اور اس کا فعل محذوف ہے جو کہ نَقْبَلُ یا ''اِتَّبِعُوْا'' ہو سکتا ہے۔ یا یہ بدل ہے ''مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ'' سے۔ ''مَنْ'' مبتدا' ''اَحْسَنُ'' خبر اور ''مِنَ اللّٰهِ'' متعلق خبر ہے' جبکہ ''صِبْغَةً'' ''اَحْسَنُ'' کی تمیز ہے۔ ''نَحْنُ'' مبتدا اور ''عٰبِدُوْنَ'' خبر ہے' جبکہ متعلق خبر ''لَهٗ'' کو تاکید کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔

ترجمہ

صِبْغَةَ اللّٰهِ : (ہم قبول کرتے ہیں) اللہ کے دین کو	وَمَنْ : اور کون
اَحْسَنُ : زیادہ اچھا ہے	مِنَ اللّٰهِ : اللہ سے
صِبْغَةً : بلحاظ دین کے	وَنَحْنُ : اور ہم
لَهٗ : اس کی ہی	عٰبِدُوْنَ : بندگی کرنے والے ہیں

آیت ۱۳۹

﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴾

ترکیب : ''اَتُحَآجُّوْنَنَا'' میں ہمزہ استفہام کا ہے۔ ''تُحَآجُّوْنَ'' فعل مضارع ہے اور اس کے ساتھ ضمیر مفعولی ''نَا'' ہے۔ ''وَهُوَ رَبُّنَا'' کا واو حالیہ ہے۔ ''هُوَ'' مبتدأ ''رَبُّنَا'' خبر اوّل اور ''رَبُّكُمْ'' خبر ثانی ہے۔ ''اَعْمَالُنَا'' مبتدأ مؤخر ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جبکہ ''لَنَا'' قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ''نَحْنُ'' مبتدأ ''لَهٗ'' متعلق خبر مقدم اور اسم الفاعل ''مُخْلِصُوْنَ'' خبر بھی ہے اور فعل کا کام بھی کر رہا ہے۔ اس کا مفعول ''اَعْمَالَنَا'' محذوف ہے۔

ترجمہ

قُلْ : کہو	اَتُحَآجُّوْنَنَا : کیا تم لوگ دلیل بازی کرتے ہو ہم سے؟
فِي اللّٰهِ : اللہ (کے بارے) میں	وَهُوَ رَبُّنَا : حالانکہ وہ ہمارا رب ہے
وَرَبُّكُمْ : اور تمہارا رب ہے	وَلَنَآ : اور ہمارے لئے ہی ہیں
اَعْمَالُنَا : ہمارے اعمال	وَلَكُمْ : اور تمہارے لئے ہی ہیں
اَعْمَالُكُمْ : تمہارے اعمال	وَنَحْنُ : اور ہم
لَهٗ : اس کے لئے ہی	مُخْلِصُوْنَ : خالص کرنے والے ہیں (اپنے اعمال کو)

نوٹ (۱) : عمل کو ملاوٹ سے پاک کرنے یعنی خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے عمل کرے اور اسی سے اجر و ثواب کی امید رکھے۔ اللہ

کے سوا کسی سے نہ تو اجر کی توقع کرے اور نہ ہی مدح وستائش کی خواہش دل میں پیدا ہونے دے۔

''بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اخلاص ایک ایسا عمل ہے جس کو نہ تو فرشتے پہچان سکتے ہیں اور نہ شیطان، وہ صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز ہے''۔ (معارف القرآن)

آیت ۱۴۰

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝۱۴۰﴾

ترکیب: ''اِبْرٰهٖمَ'' سے لے کر ''وَالْاَسْبَاطَ'' تک یہ سب ''اِنَّ'' کا اسم ہے جبکہ ''اِنَّ'' کی خبر کے طور پر پورا جملہ آیا ہے جو کہ ''كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' ہے۔ اس جملہ میں ''كَانُوْا'' کا اسم اس میں شامل ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو کہ ''اِبْرٰهٖمَ'' سے لے کر ''وَالْاَسْبَاطَ'' تک سب کے لئے ہے۔ جبکہ اس کی خبر ''هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' ہے۔ ''ءَاَنْتُمْ'' مبتدأ اور ''اَعْلَمُ'' خبر ہے۔ ''اَمِ اللّٰهُ'' پھر مبتدأ ہے اور اس کی خبر ''اَعْلَمُ'' محذوف ہے۔ ''مَنْ'' استفہامیہ مبتدأ اور ''اَظْلَمُ'' اس کی خبر ہے۔ ''مِمَّنْ'' اصل میں ''مِنْ مَنْ'' ہے۔ یہ ''مَنْ'' استفہامیہ بھی مبتدأ ہے اور ''كَتَمَ'' سے لے کر ''مِنَ اللّٰهِ'' تک پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ ''كَتَمَ'' فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''مَنْ'' کے لئے ہے۔ اس کا مفعول ''شَهَادَةً'' ہے جو نکرہ مخصوصہ ہے۔ ''كُتِمَ'' متعدی بہ دو مفعول ہوتا ہے دوسرا مفعول محذوف ہے اور عبارت یوں ہے: ''كَتَمَ النَّاسُ شَهَادَةً'' اور ''عِنْدَهٗ'' اور ''مِنَ اللّٰهِ'' یہ دونوں ''شَهَادَةً'' کی صفات ہیں۔ جبکہ ''عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ'' اس کی خصوصیت ہے۔ لفظ ''اَللّٰهُ'' مَا نافیہ کا اسم ہے اور ''بِغَافِلٍ'' اس کی خبر ہے۔ جبکہ ''عَمَّا تَعْمَلُوْنَ'' متعلق خبر ہے۔ ''عَمَّا'' دراصل ''عَنْ مَا'' ہے۔

ترجمہ

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ: یا تم لوگ کہتے ہو کہ

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ: ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولادیں

کے سوا کسی سے نہ تو اجر کی توقع کرے اور نہ ہی مدح وستائش کی خواہش دل میں پیدا ہونے دے۔

''بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اخلاص ایک ایسا عمل ہے جس کو نہ تو فرشتے پہچان سکتے ہیں اور نہ شیطان، وہ صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز ہے''۔ (معارف القرآن)

آیت ۱۴۰

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝۱۴۰﴾

ترکیب: ''اِبْرٰهٖمَ'' سے لے کر ''وَالْاَسْبَاطَ'' تک یہ سب ''اِنَّ'' کا اسم ہے جبکہ ''اِنَّ'' کی خبر کے طور پر پورا جملہ آیا ہے جو کہ ''كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' ہے۔ اس جملہ میں ''كَانُوْا'' کا اسم اس میں شامل ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو کہ ''اِبْرٰهٖمَ'' سے لے کر ''وَالْاَسْبَاطَ'' تک سب کے لئے ہے۔ جبکہ اس کی خبر ''هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' ہے۔ ''ءَاَنْتُمْ'' مبتدأ اور ''اَعْلَمُ'' خبر ہے۔ ''اَمِ اللّٰهُ'' پھر مبتدأ ہے اور اس کی خبر ''اَعْلَمُ'' محذوف ہے۔ ''مَنْ'' استفہامیہ مبتدأ اور ''اَظْلَمُ'' اس کی خبر ہے۔ ''مِمَّنْ'' اصل میں ''مِنْ مَنْ'' ہے۔ یہ ''مَنْ'' استفہامیہ بھی مبتدأ ہے اور ''كَتَمَ'' سے لے کر ''مِنَ اللّٰهِ'' تک پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ ''كَتَمَ'' فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''مَنْ'' کے لئے ہے۔ اس کا مفعول ''شَهَادَةً'' ہے جو نکرہ مخصوصہ ہے۔ ''كُنْتُمْ'' متعدی بہ دو مفعول ہوتا ہے دوسرا مفعول محذوف ہے اور عبارت یوں ہے: ''كَتَمَ النَّاسُ شَهَادَةً'' اور ''عِنْدَهٗ'' اور ''مِنَ اللّٰهِ'' یہ دونوں ''شَهَادَةً'' کی صفات ہیں۔ جبکہ ''عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ'' اس کی خصوصیت ہے۔ لفظ ''اَللّٰهُ'' مَا نافیہ کا اسم ہے اور ''بِغَافِلٍ'' اس کی خبر ہے۔ جبکہ ''عَمَّا تَعْمَلُوْنَ'' متعلق خبر ہے۔ ''عَمَّا'' دراصل ''عَنْ مَا'' ہے۔

ترجمہ

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ: یا تم لوگ کہتے ہو کہ

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ: ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولادیں

كَانُوْا : وہ سب تھے — هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى : یہودی یا عیسائی
قُلْ : کہو — ءَاَنْتُمْ : کیا تم لوگ
اَعْلَمُ : زیادہ جانتے ہو — اَمِ اللّٰهُ : یا اللہ (زیادہ جانتا ہے)
وَمَنْ : اور کون — اَظْلَمُ : زیادہ ظالم ہے
مِمَّنْ : اس سے جس نے — كَتَمَ : چھپایا
شَهَادَةً : اس گواہی کو جو — عِنْدَهٗ : اس کے پاس ہے
مِنَ اللّٰهِ : اللہ (کی طرف) سے — وَمَا اللّٰهُ : اور اللہ
بِغَافِلٍ : غافل نہیں ہے — عَمَّا : اس سے جو
تَعْمَلُوْنَ : تم لوگ کرتے ہو

آیت ۱۴۱

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾

ترجمہ

تِلْكَ : وہ — اُمَّةٌ : ایک اُمت ہے جو
قَدْ خَلَتْ : گزر چکی ہے — لَهَا : اس کے لئے ہی ہے
مَا كَسَبَتْ : وہ جو اس نے کمایا — وَلَكُمْ : اور تم لوگوں کے لئے ہی ہے
مَّا كَسَبْتُمْ : وہ جو تم لوگوں نے کمایا — وَلَا تُسْئَلُوْنَ : اور تم لوگوں سے نہیں پوچھا جائے گا
عَمَّا : اس کے بارے میں جو — كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ : وہ لوگ کیا کرتے تھے

❁ ❁ ❁

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟

تحریر: اکبر شاہ خان، نجیب آبادی

قرآن فہم انسان کے لئے آسان کتاب ہے

مسلمانوں میں جس طرح اور بہت سے غلط اور غیر اسلامی عقیدے اسلامی جامہ پہن کر داخل ہو گئے ہیں، اسی طرح ایک یہ خیال نہ صرف جاہلوں بلکہ اکثر پڑھے لکھے اور عالم کہلانے والے لوگوں میں بھی شائع ہو کر راسخ ہو چکا ہے کہ قرآن مجید کا سمجھنا، یعنی عربی زبان جانتے اور قرآن مجید کے الفاظ کا مفہوم سمجھتے ہوئے بھی آیاتِ قرآنی کے مطالب سے واقف ہو کر قرآن مجید سے فائدہ اٹھانا بے حد دشوار بلکہ غیر ممکن ہے، اور کوئی بہت ہی بڑا جید عالم جو تمام بڑی بڑی تفسیروں کا بالاستیعاب مطالعہ کر چکا ہو، مشکل ہی سے کسی آیت کے صحیح مفہوم سے آشنا ہو سکتا ہے۔ متوسط درجہ کے مولوی یا کسی عام پڑھے لکھے شخص کا کیا حوصلہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کا مطلب سمجھ سکے اور کسی عقیدہ کی تائید یا تردید میں کوئی آیت پیش کر سکے! اس غلط اور گمراہ کن عقیدے کی ہمہ گیری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب لوگوں کو کسی مسئلہ کی نسبت تحقیق کرتے ہوئے قرآن مجید کی کسی آیت کے تلاش کرنے کا خیال نہیں آتا۔ ہندوستان کے کئی شہروں میں ایسے مذہبی ادارات قائم ہیں، جہاں روزانہ بکثرت استفتاء آتے اور اُن پر فتوے لکھے جاتے ہیں۔ ان ہزار ہا فتووں میں جو ہر ہفتے مفتیوں کے قلم سے صادر ہوتے ہیں، بمشکل کوئی ایک یا دو فتوے تلاش کئے جا سکتے ہیں جن میں قرآن مجید کی کسی آیت کا کوئی حوالہ موجود ہو، ورنہ عام طور پر فقہی کتابوں کے حوالوں پر فتووں کی بنیاد قائم کی جاتی ہے۔ گویا ان کتابوں ہی کو قرآن مجید کا مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو، لیکن اگر کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر صرف اللہ اور رسول سے فیصلہ کراؤ، یعنی قرآن و حدیث کو حَکم بناؤ۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ (النساء)

یہ بات آج کل کسی سے پوشیدہ نہیں کہ کسی اختلافی مسئلہ کی نسبت اگر مفتیوں سے فتویٰ حاصل کیا جاتا ہے تو اُس فتوے میں کنز' قدوری' عالمگیری وغیرہ کے حوالے اور الفاظ تو موجود ہوتے ہیں' لیکن اگر نہیں ہوتا تو قرآن وحدیث ہی کا کوئی حوالہ اور تذکرہ نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ نجیب آباد کی جامع مسجد میں نماز عشاء کے وقت کسی شخص نے دوسرے نمازیوں کی موجودگی میں مجھ سے کوئی بات دریافت کی۔ میں نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ کر سنادی اور ایک حدیث (جس کے الفاظ مجھ کو صحیح طور پر یاد نہ تھے) کا مفہوم اپنے الفاظ میں پیش کر دیا۔ دوسرے روز اتفاقاً کسی نے پھر کوئی بات دریافت کی اور میں نے اس روز بھی اسی طرح جواب دیا۔ تیسرے روز ان نمازیوں میں سے ایک دوست میرے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ فلاں صاحب تیری نسبت برا خیال ظاہر کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ ان کا خیال صحیح ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مجھ کو اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ فرمانے لگے کہ ان کے بدعقیدہ ہونے کا سبب سننے کے قابل ہے۔ میں نے کہا فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ گزشتہ دو روز تجھ سے مسجد میں بعض باتیں پوچھی گئیں اور تو نے دونوں مرتبہ قرآن اور حدیث کے حوالوں سے جواب دیا۔ بس یہی چیز اُن کو زیادہ ناگوار گزری۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہر ایک بات کے جواب میں قرآن اور حدیث ہی کو لے بیٹھنا اور کسی امام یا فقہ کی کتاب یا کسی بڑے بوڑھے پرانے مولوی کے قول کا حوالہ نہ دینا بڑی معیوب بات اور انتہا درجہ کی گستاخی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں مفتی نہیں ہوں' جو کچھ مجھ کو معلوم تھا معمولی طور پر جواباً عرض کر دیا تھا۔ انہوں نے غلطی سے مجھ کو مفتی سمجھ لیا ہے۔

جو لوگ قرآن مجید کو پڑھ اور سمجھ ہی نہیں سکتے وہ تو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے' جو پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں انہوں نے یہ کہہ کر کہ قرآن مجید کو ائمہ مجتہدین اور پرانے مفسرین ہی خوب سمجھ سکتے تھے اور ان بزرگوں کی سمجھی ہوئی باتوں میں کوئی اضافہ یا ترمیم مقبول نہیں' تدبر فی القرآن ہی سے عملاً انکار اور رائے وقیاس کے ذریعہ ترتیب دیئے ہوئے فتووں کے مقابلہ میں قرآن مجید کو معناً بے کار قرار دے دیا' اور اس طرح اُمتِ مسلمہ نے قرآن مجید سے دوری ومہجوری اختیار کر لی۔

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان)

''اور رسول (حضرت محمد ﷺ) نے (جنابِ الٰہی میں) عرض کیا کہ اے میرے رب! میری اُمت نے اس قرآن کو مہجور (اپنے آپ سے دور کیا ہوا) قرار دے لیا۔''

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود قرآن مجید کی نسبت فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر:۱۷،۲۲،۳۲،۴۰)

''اور ہم نے قرآن مجید کو (لوگوں کے) نصیحت حاصل کرنے کے لئے بہت ہی آسان کر دیا ہے' پس کوئی ہے جو نصیحت یاب ہو؟''

سورۃ القمر میں اس آیت کو صرف ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اور بغرضِ تاکید بتکرار فرمایا:

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ (مریم)

''پس (اے رسولؐ) ہم نے اس قرآن کو تیری زبان (یعنی عربی زبان) میں اس لئے آسان کر دیا ہے کہ تو اس قرآن کے ذریعے متقی لوگوں کو خوشخبری سنائے اور جھگڑالو لوگوں کو (عذابِ الٰہی سے) ڈرائے۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ (الزمر)

''اور ہم نے لوگوں کے سمجھنے کے لئے اس قرآن میں تمام اقسام کی مثالیں بیان فرما دی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یہ قرآن صاف اور سلیس عربی زبان میں ہے' اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں' تاکہ لوگ اس کو سمجھ کر خدا سے ڈریں۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے بلا اشتباہ ثابت ہے کہ جو شخص سمجھنے کی کوشش کرے اُس کے لئے قرآن مجید کا سمجھنا دشوار نہیں بلکہ بہت ہی آسان ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو قرآن مجید میں تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت:۶۹)

''اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم لازماً اپنے راستے دکھائیں گے۔''

حضرت سیدنا و مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں کیا

خوب فرماتے ہیں:

''اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے' اس کو بڑا علم چاہئے' ہم کو وہ طاقت کہاں کہ اُن کا کلام سمجھیں' اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے' سو ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں' بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں' سو یہ بات بہت غلط ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف و صریح ہیں' ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

''اور بے شک اتاریں ہم نے تیری طرف باتیں کھلی' اور منکر ان سے وہی ہوتے ہیں جو بے حکم (نافرمان لوگ) ہیں''۔

یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں' بلکہ ان پر چلنا مشکل ہے' اس واسطے کہ نفس کو حکم برداری کسی کی بری لگتی ہے۔ سو اس لئے جو لوگ بے حکم ہیں وہ ان سے انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ و رسول کا کلام سمجھنے کے لئے بہت علم نہیں چاہئے' کیونکہ پیغمبر تو نادانوں کے راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کے علم سکھانے کو آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ میں فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

''اور اللہ وہ ہے کہ جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول ان میں سے کہ پڑھتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقل کی باتیں' اور بے شک تھے وہ پہلے سے صریح گمراہی میں۔''

یعنی یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا کہ اس نے بے خبروں کو خبردار کیا اور ناپاکوں کو پاک اور جاہلوں کو عالم اور احمقوں کو عقلمند اور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر۔ سو جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی چل نہیں سکتا سو اُس نے اس آیت کا انکار کیا ہے اور اس نعمت کی قدر نہ سمجھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جاہل لوگ ان کا کلام سمجھ کر عالم ہو جاتے ہیں اور گمراہ لوگ ان کی راہ چل کر بزرگ بن جاتے ہیں۔ اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار' پھر کوئی شخص

اس بیمار سے کہے کہ فلانے حکیم کے پاس جا اور اس کا علاج کرا' اور وہ بیمار یہ جواب دے کہ اس کے پاس جانا اور اس سے علاج کرانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے مجھ سے کیونکر یہ ہوسکتا ہے' کیونکہ میں سخت بیمار ہوں' سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت کا انکار کر رہا ہے' اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ جو تندرستوں ہی کا علاج کرے اور انہیں اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کاہے کا! غرض جو کوئی بہت جاہل ہے اس کو اللہ و رسول کا کلام سمجھنے میں زیادہ رغبت چاہئے اور جو بہت گنہگار ہو اُس کو اللہ و رسول کی راہ چلنے میں زیادہ کوشش چاہئے۔ سو یہ ہر خاص و عام کو چاہئے کہ اللہ و رسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں اور اسی کو سمجھیں اور اسی پر چلیں اور اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں۔''

(ماخوذ: تاریخ زوالِ ملت اسلامیہ۔ انتخاب: نوید احمد' کراچی)

بقیہ: تعارفِ قرآن

اتنا اور کسی کتاب کا نہیں ہے۔ یعنی قراءت کے فرق بھی ریکارڈ پر ہیں' سبعہ قراءت اور عشرہ قراءت ریکارڈ پر ہیں' ان میں بھی ایک ایک حرف کا معاملہ مدوّن ہے کہ فلاں قراءت میں یہ لفظ زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے یا زیر کے ساتھ۔ اور یہ تمام official قراءات ہیں۔ باقی جہاں تک رسم الخط کا تعلق ہے اس کا ٹیکسٹ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے معین کر دیا۔ امت مسلمہ پر یہ ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ قرآن حکیم کی compilation اور اس کی تدوین کے متعلق یہ چیزیں ذہن میں رہنی چاہئیں۔ یہ حقائق سامنے نہ ہوں تو کچھ لوگ ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر سکتے ہیں۔ (جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ اور مقامِ عبدیت

تحریر: محمد یونس جنجوعہ

اللہ وحدہ لاشریک کائنات کا خالق' مالک اور رازق ہے جبکہ حضرت محمد ﷺ اس کے پیغمبر یعنی بھیجے ہوئے ہیں' تاکہ وہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا والے کام کرنے کی ہدایت کریں اور اس کی ناراضگی والے کاموں سے بچنے کی تلقین کریں۔ اس حقیقت کو انتہائی سادگی کے ساتھ کلمۂ طیبہ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جبکہ محمد ﷺ اُس کے رسول ہیں۔ بس یہ ہے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا رشتہ۔ تاہم اللہ اور رسول اللہ کے رشتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے' کیونکہ افراط وتفریط انسانی طبائع کا خاصہ ہے۔ انسان جس سے متاثر ہوتا ہے اس کی تعریف وتوصیف یا پھر مذمت میں غلو سے کام لیتا ہے۔ جس شخصیت کو اچھا سمجھتا ہے اُس کی کمزوریوں سے بھی چشم پوشی کرتا ہے اور جس کو برا سمجھتا ہے اس کی خوبیوں کو بھی خامیاں تصور کرتا ہے۔ یہ انداز حقیقت کے خلاف اور بے انصافی پر مبنی ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اسی لئے شاعری کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں اکثر غلو کا عنصر شامل ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر مسلمان کی جذباتی وابستگی اور عقیدت ہے' مگر یہاں بھی افراط وتفریط کی انسانی کمزوری در آتی ہے تو صورتِ حال غیر متوازن ہو کر خطرناک ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں واحد ویکتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا انتہائی بے انصافی ہے۔ شرک وہ گناہ ہے جس کی بخشش نہیں ہو سکتی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ (المائدۃ:۷۲)

''جس شخص نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا یقیناً اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی۔''

ادھر رسول اللہ ﷺ کی تعریف وتوصیف میں کمی کرنے سے اعمال ضائع ہونے کا ڈر سنایا گیا ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے بارے میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت

ہے۔اسی لئے کسی نے کہا ہے: ع با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار! یعنی خدا کی صفاتِ عالیہ تو لامحدود ہیں لہٰذا دیوانہ وار اس کی صفت بیان کرو۔ یہاں کوئی حد مقرر نہیں کہ اس سے آگے نہیں جانا۔ خدا تعالیٰ کی صفات تو حدود و قیود سے بالا ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک میں حدود و قیود ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر اُن حدود سے نیچے آئے تو گستاخی کا ڈر ہے' اگر اُوپر گئے تو شرک کا خطرہ ہے۔

جس طرح مخلوق کے کسی فرد میں الوہیت کا شائبہ تک نہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی الوہیت میں کسی طور پر حصہ دار نہیں' بلکہ جس طرح عام لوگوں کو شرک سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی شرک سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں عام نصیحت یہ ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾

(النساء:٤٨و١١٦)

''اللہ تعالیٰ اِس بات کو ہرگز نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جو بھی (گناہ) ہو اُس کو وہ بخش دے گا جس کے لئے چاہے گا''۔

اور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ......﴾ (الزمر:٦٥)

''آپ کی طرف اور اُن کی طرف جو آپ سے پہلے ہوئے' یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے''۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے سامنے نیازمندی' انکساری اور بندگی میں گزاری اور کبھی بڑا بول نہیں بولا۔ جب کبھی آپؐ کو اپنی پوزیشن واضح کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپؐ نے کبھی غلط فہمی نہیں پیدا ہونے دی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ)) کہ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ مگر ساتھ ہی یہ فرمایا کہ: ((وَلَا فَخر)) یعنی میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا (بلکہ حقیقت بیان کرنے کی خاطر کہتا ہوں)۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپؐ کے سامنے کہہ دیا ''مَاشَاءَ اللّٰهُ وَمَاشَاءَ مُحَمَّدٌ'' اس پر آپؐ نے ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟)) ''کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا؟'' اور صرف مَاشَاءَ اللّٰهُ کہنے کی تعلیم دی۔ یہ اس لئے کہ خود قرآن مجید میں اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنی

بشریت کا اعلان کیجئے تاکہ آپ کے عظیم مرتبے کی بنا پر لوگوں کو کسی طرح کی غلط فہمی نہ ہو جائے۔ ارشاد ہوا: ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (الکہف:۱۱۰/فصلت:۶) ''کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ!) میں انسان ہوں تمہاری طرح البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے''۔

اللہ تعالیٰ اور انسان کا رشتہ معبود اور عبد کا ہے۔ یہی رشتہ اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ قرآن مجید میں بار بار رسول اللہ ﷺ کو عبد کہا گیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى﴾ پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے دور کی مسجد کی طرف''۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ جو دعائیں اللہ کے حضور کیا کرتے تھے ان میں اپنے آپ کو عبد ہی کہتے تھے۔ مثلاً آپ کی ایک دعا جو مسند احمد اور رزین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ)) ''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں' اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں''۔ اس ضمن میں اُمت کو جو الفاظ سکھائے ان میں بھی آپ نے ''عبد'' کا لفظ بتایا۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اقرار کرے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں''۔ یوں آپ ﷺ نے ہر مسلمان پر اللہ کے حکم سے اپنی پوزیشن واضح کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کی طرح آپ سے پہلے گزرنے والے تمام انبیاء و رُسل بھی اللہ کے بندے تھے' کسی میں بھی الوہیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۹۰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نزولِ وحی کے لئے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے چن لیتا ہے۔ سورۃ ص کی آیت ۴۵ میں ابراہیم و اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ''عِبٰدَنَا'' یعنی ''ہمارے بندے'' کہا ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں کہا: ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۳ میں نوح علیہ السلام کو ﴿عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ یعنی ''شکر گزار بندہ'' کہا گیا ہے۔

عبد کے لئے ضروری ہے کہ وہ معبود کی عبادت میں لگا رہے' زندگی کی عملی جدوجہد میں وہ اپنے معبود کی اطاعت کرے اور دوسرے مراسمِ عبودیت میں بھی ہمہ تن مصروف رہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ اپنے رب کے حضور میں عجز و نیاز کے ساتھ رات کی تنہائی میں عبادت میں ایسے محو ہوتے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا۔ پوچھا گیا کہ آپؐ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا ''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (الزمر) ''(اے پیغمبر) کہہ دیجئے مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے فرمانبردار ہو جاؤں۔ کہہ دیجئے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے''۔ بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ کسی وقت بھی اپنے آقا کی مہربانیوں کی وجہ سے بے باک نہ ہو۔ بلکہ جوں جوں مالک اُس پر مہربان ہو وہ بندگی میں آگے بڑھتا جائے اور یہی حال رسول اللہ ﷺ کا تھا۔

قرآن مجید میں کئی جگہ پر رسول اللہ ﷺ کے لئے تنبیہہ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ آپؐ کی قدر و منزلت اور محبوبیت میں اضافے کی دلیل ہیں' جبکہ فہم نارسا رکھنے والے ایسے جملوں کو آپؐ کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جان لینا چاہئے کہ پورے قرآن حکیم میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ اس سے آپ ﷺ کی شان میں کمی ہوتی ہے۔ آقا جب اپنے غلام کو بعض اوقات ہدایات دیتا ہے اور ان ہدایات پر کاربند رہنے کی تاکید کرتا ہے تو اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ غلام ان ہدایات کے بارے میں باخبر رہے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کے مالک کی نگاہ میں اس کے رتبے میں کمی آئے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ سے مخالفین نے چند سوال پوچھے۔ آپؐ نے اس اُمید پر کہ اللہ تعالیٰ ان سوالوں کا جواب بتا دے گا تو میں پوچھنے والوں کو مطمئن کر دوں گا' کہہ دیا کہ کل بتاؤں گا۔ کئی دن تک وحی نہ آئی۔ آپؐ انتظار میں رہے۔ جب وحی آئی تو ان سوالوں کے جواب بھی بتائے گئے اور ساتھ ہی یہ الفاظ بھی آئے کہ: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (الکہف) ''آپ کسی چیز کے بارے میں ہرگز ایسا نہ کہیں کہ مَیں کل یہ کام کروں گا۔ ہاں ساتھ ''اِن شاء اللہ'' بھی کہیے!'' یہ راہنمائی محبوبیت کا تقاضا بھی ہے اور اُمت کو تعلیم بھی کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی راہنمائی اور ہدایت کے محتاج ہیں اور اس کی مشیت کے تابع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بہت سا علم دیا' لیکن جو بھی دیا وہ اللہ کی مہربانی ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور دوسری تمام صفات کی طرح اس صفت کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ مخلوق

میں کوئی ایسا فرد نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی صفت پائی جا سکے۔ اسی لئے قرآن مجید میں واضح کر دیا گیا' بلکہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی کہلوا دیا گیا کہ:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ﴾ (الانعام:۵۰)

''میں نہیں کہتا تمہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں' اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ ہاں میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے''۔

اسی طرح کے الفاظ سورۂ ہود کی آیت ۳۱ کے ہیں۔

انبیاء کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ ہمہ وقت وحی کے انتظار میں ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے جس بات پر انہیں مطلع کرتا اس سے وہ باخبر ہو جاتے۔ قرآن مجید میں ہے کہ: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ (ھود:۴۹) ''یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ کو ان کی خبر تھی اور نہ آپ کی قوم کو''۔ پھر فرمایا کہ: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ﴾ (النمل:۶۵) ''کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ!) زمین و آسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے''۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں عالم الغیب اور عالم ما کان وما یکون کا عقیدہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ یہ باتیں اس لئے واضح کر دی گئیں تا کہ عقیدت مندی کے غلو میں لوگ حدود پھلانگ کر گمراہی میں نہ جا پڑیں۔ کیونکہ اللہ کی صفت مخلوق میں ماننا یہی تو شرک ہے۔ اور شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ وہ ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔ سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت کے علاوہ مزید ملاحظہ فرمائیے: المائدۃ:۷۲' الحج:۳۱۔

شرک سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی روک دیا' حالانکہ یہ بات حدِ امکان سے باہر ہے کہ آپ شرک کا ارتکاب کریں' مگر آقا کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بندے کو مہلکات سے متنبہ فرمائے اور اس کے ذریعے عوام الناس پر شرک کی شناعت واضح کرے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا﴾ (الجن)

''(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور میں اُس کے

ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا''۔

اس کے علاوہ یہی مضمون سورۃ الزمر کی آیت ۶۵ میں بھی واضح کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی رسالت ہے۔ یعنی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا کر ہدایت کی طرف دعوت دینا۔ حضور ﷺ اسی بات کے مکلف تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ﴾ (النور:٥٤' العنکبوت:١٨)

''رسول کے ذمہ تو بس واضح طور پر پیغام پہنچا دینا ہے''۔

پھر سورۃ المائدۃ میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ﴾ (آیت ٦٧)

''(اے پیغمبرؐ!) جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو' اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا)''۔ (۱)

ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ نے تو حق تبلیغ بہترین انداز میں ادا کیا اور پھر حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے شہادت بھی لے لی جب انہوں نے اقرار کیا کہ آپؐ نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ ہاں کسی کو ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ (الانعام:١٠٧' الزمر:٤١' الشوریٰ:٦)

''(اے پیغمبر!) تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو''۔

اسی طرح واضح کر دیا گیا کہ کسی باطل پرست کو حق پرست بنا دینا آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے روز یہ نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں فلاں اشخاص کیوں کفر پر اڑے رہے' آپؐ ان کو اسلام میں داخل کیوں نہ کر سکے؟ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ (البقرۃ)

''اور (اے پیغمبر!) اہل دوزخ کے بارے میں تم سے کچھ پرسش نہ ہوگی''۔

یعنی جو لوگ دوزخ میں ڈالے گئے ہیں ان کے بارے میں پرسش کہ آپ ان کو جنتی کیوں نہیں بنا سکے۔ جو کام کسی کی استطاعت سے باہر ہو تو اُس سے اُس کام کے بارے میں جواب طلبی کسی طرح بھی درست نہیں۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کا حقیقی چچا ابوطالب کفر پر ہی فوت

---

(۱) ترجمہ: مولانا فتح محمد جالندھری

ہوا' حالانکہ آپؐ نے اس کو اسلام قبول کرنے کی پرزور اور بار بار دعوت دی۔ اگر اس کو اسلام میں داخل کرنا آپؐ کے اختیار میں ہوتا تو آپ اس کو ہرگز کفر پر نہ رہنے دیتے۔ اسی ضمن میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ (القصص)

''(اے پیغمبر!) تم جس کو دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے' بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے''۔

اس آیت کے تحت شاہ عبدالقادر ''موضح القرآن'' میں لکھتے ہیں: حضرت ﷺ نے اپنے چچا (ابوطالب) کے واسطے سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ ہی کہے' اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اتری''۔ یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے' آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے' کون نہیں پہنچتا' یہ آپ کے قبضۂ اختیار سے خارج ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصولی الی المطلوب کی توفیق بخشے۔ اگر کوئی اس معاملے میں غلو کرتے ہوئے حضور ﷺ کو مختار سمجھے تو وہ اپنی جہالت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوگا کہ انہوں نے اپنے اختیار کے استعمال میں کوتاہی کی جس کے نتیجہ میں اور بہت سوں کے علاوہ آپ کا حقیقی چچا بھی ہدایت سے محروم رہ گیا۔ (العیاذ باللہ)

کسی انسان کو نفع یا نقصان پہنچانا' بلکہ پیغمبر کو بھی' صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی لئے سب کو حکم ہے کہ وہ حصولِ نفع کے لئے اور دفع مضرت کے لئے اللہ ہی کو پکاریں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ﴾ (یونس:۱۰۶'۱۰۷)

''اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے۔ اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں' اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں''۔

سورۂ یونس ہی میں ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ﴾ (آیت ۴۹)

''(اے پیغمبرؐ!) کہہ دیجئے میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا' مگر جو اللہ چاہے۔''

یعنی میں خود اپنے نفع یا نقصان کا صرف اس قدر مالک ہوں جتنا اللہ چاہے' پھر دوسروں پر کوئی بھلائی برائی وارد کرنے کا مستقل اختیار مجھے کہاں سے ہوتا! خود رسول اللہ ﷺ کو اور آپؐ کے صحابہ کرام ؓ کو زندگی میں سخت مصائب اور تکالیف برداشت کرنے پڑے۔ اگر تکلیف کا دُور کرنا اور آرام کا حاصل کر لینا آپؐ کے اختیار میں ہوتا تو آپ کبھی بیمار نہ پڑتے' طائف کا واقعہ پیش نہ آتا' جنگ اُحد میں آپؐ کے دندان مبارک شہید ہونے کی نوبت نہ آتی' آپ اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ ؓ کی لاش مبارک کو کافروں کے ہاتھوں بے حرمتی سے بچا لیتے جنہوں نے اُن کا مثلہ کیا تھا۔ پس ہر انسان کا نفع ونقصان اللہ کے ہاتھوں میں ہے اور انبیاء سمیت سب لوگ مشکلات اور مصائب میں اسی کو پکارتے ہیں۔ بیسویں پارے کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کے مختار مطلق ہونے کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ وہیں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (النمل)

''بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے' اور کون اُس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور کون تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے؟ (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) مگر تم بہت کم غور کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے استعانت جائز نہیں۔ عام لوگوں کی بھی اور نبی ﷺ کی بھی یہی پکار رہی ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ (الفاتحہ) ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے''۔ یعنی جس طرح عبادت صرف اللہ کی ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اسی طرح استعانت بھی صرف اللہ سے ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں۔ یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ اس کو پکارا جائے' اس سے استدعا کی جائے۔ ''یا فلاں مدد!'' اور ''یا فلاں مدد!'' کے نعروں

کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے ہمارے اسلاف کے ہاں ان کا وجود نہیں پایا جاتا۔ یہ بات عام فہم ہے کہ جس کا اختیار ہی نہیں اُس کے سامنے دست سوال دراز کرنا نری جہالت ہی تو ہے۔

اللہ تعالیٰ مختارِ مطلق ہے۔ اس کے اختیار میں کسی دوسرے کی مداخلت خارج از بحث ہے۔ اسے نہ کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ مشورے کی' جبکہ مخلوق کا ہر چھوٹا بڑا اس کا محتاج اور دست نگر ہے۔ انبیاء اشرف مخلوق کے افراد ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور انبیاء کے سردار رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کے بندے تھے۔ سورۃ آل عمران میں جنگ اُحد کا ذکر ہے جس میں آپؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سمیت ستر صحابہ شہید ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دایاں دانت شہید ہوا۔ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں' پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہان ہوا۔ اسی حالت میں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ کفار نے مشہور کر دیا: اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ ''محمد ﷺ مارے گئے (نعوذ باللہ)''۔ اس سے مجمع بدحواس ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کو ہوش آیا تو اُس وقت زبانِ مبارک سے نکلا: ''وہ قوم کیونکر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا جو اُن کو اللہ کی طرف بلاتا تھا؟''۔ مشرکین کے وحشیانہ شدائد اور مظالم کو دیکھ کر آپؐ سے نہ رہا گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے لئے آپؐ نے بددعا کا ارادہ کیا ——— یا شروع کر دی ——— تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾

(آل عمران)

''(اے پیغمبر!) تمہارا اختیار کچھ نہیں' یا اُن کو توبہ دے اللہ تعالیٰ یا اُن کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں''۔

یعنی آپؐ اپنے اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف اس طرح کے الفاظ اور بددعا زبان سے نہ نکالئے! یہ آپؐ کے مقامِ بلند سے فروتر ہے۔ پھر آپؐ نہیں جانتے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپؐ کا جاں نثار عاشق بنا دے۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ جن لوگوں کے حق میں آپؐ بددعا کر رہے تھے چند روز کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول اسلام کی توفیق دی۔ انہی میں حضرت خالد بن ولیدؓ تھے جو بعد ازاں مشرف باسلام ہوئے اور اپنی جلیل القدر جہادی خدمات کے عوض رسول اللہ ﷺ سے ''سیف اللہ'' کا خطاب پایا۔ پس رسول اللہ ﷺ

افرادِ اُمت کے لئے انتہائی واجب الاحترام ہیں۔ آپؐ کے حکم ہی نہیں بلکہ اشارے پر بھی افرادِ اُمت کو عمل کرنا ہے۔ مگر وہ خود اللہ کے احکام کے پابند اور اُس کی رضا کے طالب ہیں۔ آپؐ کے ساتھ بھی تمام بشری تقاضے موجود تھے مگر اس کے باوجود آپ نے بھرپور زندگی گزاری جو سراسر تقویٰ اور رضائے الٰہی کے مطابق تھی۔ ایسی مثالی زندگی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی سیرت کو اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ زندگی میں انہی بشری تقاضوں کے تحت اگر کبھی آپ سے خلافِ اولیٰ بات ہوئی تو مہربان ربّ نے فوراً آپؐ کو خبردار کیا اور راہنمائی میسر فرمائی۔

آقا کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے غلام کو مہلکات سے خبردار کردے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (البقرۃ)

''(اے پیغمبر!) اگر تم باوجود اس کے کہ تمہارے پاس دانش (یعنی وحیٔ الٰہی) آ چکی ہے ان (کفار) کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے تو ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے''۔

یہی مضمون سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۰ میں بیان ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کو مصالحت کی بڑی بڑی پیشکشیں ہوئیں مگر آپؐ نے انہیں ہرگز قبول نہ کیا' کیونکہ وحی کے خلاف عمل کرنا آپؐ کی ذاتِ مبارکہ سے محال تھا اور اس کی سنگینی آپؐ پر (امت کو متنبہ کرنے کے لئے) واضح کر دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کفارِ قریش نے چند شرائط پر آپؐ کو مصالحت کی پیشکش کی تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تو میں اِن خلافِ حق شرائط کو قبول نہیں کر سکتا''۔

بہرحال پروردگارِ عالم تو واحد ہی ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ بلکہ ہر فرد فرشتہ ہو یا رسول' نبی ہو یا ولی' شہید ہو یا مجاہد' سب اُس کے بندے اور اس کے تابع فرمان ہیں۔ مخلوق کا کوئی فرد کتنا بھی صاحب فضیلت ہو وہ بندہ ہی رہے گا۔ کسی بزرگ ہستی نے بہت خوب کہا ہے۔

اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّل
وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی

یعنی ربّ ربّ ہی ہے' اگرچہ کتنا ہی نیچے اترے اور بندہ' بندہ ہی ہے خواہ کتنا ہی بلند ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرمانے کے باوجود اللہ ہی رہتا ہے اور بندہ عرشِ عظیم تک بلند ہو کر بھی بندہ ہی رہتا ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوا اور آپؐ اُس بلند

ترین مقام پر پہنچے جہاں مخلوق کا کوئی دوسرا فرد نہیں پہنچا' مگر اس کے باوجود آپ ربّ کے بندے اور اس کے حضور عاجزی کرنے والے تابع فرمان ہی رہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۗىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ﴾ (آل عمران:۱۴۴)

''محمد (ﷺ) تو بس اللہ کے رسول ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر یہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟''

یعنی حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نہ وہ ہمیشہ سے ہیں اور نہ وہ ہمیشہ رہیں گے' ایک دن اُن پر موت طاری ہو جائے گی' مگر اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا' اس پر کبھی موت طاری نہیں ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر تمام صحابہ کرام ؓ غم سے نڈھال تھے۔ حضرت عمر ؓ پر تو صدمے کی شدت اس قدر طاری ہوئی کہ آواز لگائی کہ جو کوئی کہے گا کہ محمد ﷺ وفات پا گئے مَیں اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے یہی آیت تلاوت کر کے حضرت عمر فاروق ؓ کو نارمل کیا تھا۔ تمام مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کی شاہکار تخلیق ہیں مگر ہیں تو بہرحال مخلوق! الوہیت سے آپؐ بری ہیں۔ تمام کائنات اللہ نے پیدا کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام کائنات پر فضیلت ہے۔ اس ساری فضیلت اور عظمت کے باوصف آپ اللہ کے بندے' اسی کے عبادت گزار اور تابع فرمان ہیں۔ انسانوں کو آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے کہ لوگوں کی نجات اور بھلائی اسی میں ہے' مگر آپؐ خود اللہ کے احکام کے پابند ہیں' اسی کے سامنے سربسجود ہیں اور اسی سے عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ کفار دلائل میں تو حضور ﷺ سے مار کھا گئے تھے' اب وہ معجزہ دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی چاہتے تھے کہ اُن کا مطالبہ پورا ہو جائے اور وہ لوگ ایمان لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ آپؐ کو فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ (الانعام)

''اگر آپ کو ان کا اعراض شاق گزر رہا ہے تو اگر آپ میں طاقت ہے تو زمین میں کوئی سرنگ لگا لیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا لیں اور اس طرح اُن کے لئے کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں۔ (اللہ کی تو یہ چاہت نہیں) کیونکہ اگر وہ چاہے تو آنِ واحد میں ان سب کو نیک بنا دے۔ تو آپ جاہلوں میں سے ہرگز نہ ہو جائیں''۔

یہ ترجمہ کرتے وقت زبان لرزتی ہے مگر اللہ کی شان تو بہت بلند ہے۔ مخلوق کا بڑے سے بڑا بھی اس کا بندہ' تابع فرمان اور محتاج ہے۔ یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے ذکر میں استعمال کیا جنہوں نے ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال تک دعوت پھیلائی اور حق تبلیغ ادا کر دیا۔ تو جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے یہ بات مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائے گی کہ اللہ قادر مطلق اور معبودِ برحق ہے اور مخلوق کا ہر چھوٹا بڑا اُس کا عبد اور فرماں بردار ہے۔

الغرض ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اپنی پسند و ناپسند اور مدح و ذم میں غلو کی فطری کمزوری پر قابو پائیں' حق بات کو قبول کریں' عدل کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اسلام دین توحید ہے اور توحید کا یہ تقاضا ہے کہ مخلوق کے کسی فرد کو خالق کی صفات سے متصف کر کے اس کے سامنے کھڑا نہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ شرک سے آلودہ ہونے کی بنا پر ساری نیکیاں کالعدم قرار پا جائیں۔ خبردار رہیں' کیونکہ کچھ ایمان والے ایسے ہیں جو مشرک بھی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف) ''اور ان میں سے نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں''۔ ہم عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اپنا جائزہ لیں کہ کیا ہم ایمان دار ہونے کے باوجود شرک کا ارتکاب تو نہیں کر رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اللہ کو واقعی بے مثل اور بے مثال مانیں اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا بندہ اور رسول تسلیم کرتے ہوئے انہیں اللہ کے مدمقابل کھڑا کرنے کی جسارت نہ کریں۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 20 روپے اشاعت عام: 10 روپے

حافظ احمد یارؒ، قرآن کا عالم وخادم

تحریر: ڈاکٹر قاری محمد طاہر☆

حافظ احمد یار مرحوم ومغفور کو قرآن حکیم سے تعلق ہی نہیں بلکہ عشق تھا' ایسا عشق جو کسی ایک جہت یا ایک سمت میں محدود نہیں' بلکہ علومِ قرآن کی طرح لامحدود' ان گنت اور لاانتہا ہے۔ اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت' قراءت' سماعت' کتابت' طباعت' ترجمہ وتشریح' فہم' تعمیل وتشویق' توثیق بالعمل اور دورِ حاضر کے جدید آلات کے تناظر میں قرآن حکیم کی آڈیو وڈیو کی تلاش وجستجو' سب تعلق بالقرآن اور عشق بالقرآن ہی کے عنوانات ہیں۔

حافظ صاحب کی ذات ان تمام عنوانات کا مجموعہ تھی۔ انہی عنوانات پر مشتمل ان کی ذاتی لائبریری بہت بڑا علمی ذخیرہ ہے' جس میں قرآنی علوم سے متعلق کتب مطبوعہ' کتب غیر مطبوعہ' مخطوطات ومحفوظات موجود ہیں' جو ان کے ذوق قرآن اور عشق قرآنی کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ حافظ صاحب کی یہ لائبریری' جو اُن کے مسکن اچھرہ میں موجود ہے' قرآن حکیم کے حوالے سے بڑی بڑی لائبریریوں پر بھاری ہے' کیونکہ بڑی لائبریری کا معیار کتابوں کی تعداد پر کبھی نہیں ہوتا' نادر الوجود کتب ہی سے لائبریری کے وزن اور قد کاٹھ کا اندازہ ہوتا ہے۔ حافظ صاحب کو قرآن حکیم کے مختلف نسخے جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ آپ مختلف ممالک میں مختلف اوقات میں طبع ہونے والے مصاحف بڑی جستجو' بڑی لگن اور محنت سے حاصل کرتے اور اسے اپنے ذخیرۂ کتب کی زینت بناتے تھے۔ ذاتی کتب کی دو تین الماریاں ایسے ہی نادر الوجود مصاحف سے مملو ہیں۔ ایک خطی نسخہ جو بہت ہی خوبصورت خطاطی کا نمونہ ہے' ان کی لائبریری میں محفوظ ہے جس کے بارے میں ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ یہ نسخہ ہمارے خاندان میں توارث سے پہنچا۔ حافظ صاحب اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ کئی سو برس سے خاندانی ورثہ میں مجھے منتقل ہوا ہے۔ یہ نسخہ انتہائی قابل دید ہے۔ کاغذ کی بوسیدگی وتمزیق کے خطرہ کے پیشِ نظر حافظ صاحب نے اس کے ہر ہر کاغذ کو مومیائی

☆ مدیر ماہنامہ ''التجوید''، فیصل آباد

طریق پر محفوظ کرلیا ہے۔

۶۳-۱۹۶۲ء میں حافظ صاحب اسلامیہ کالج' سول لائنز میں بطور استاد تعینات تھے۔ اسی دوران آپ نے قرآن حکیم کے مختلف نسخوں کی نمائش کا اہتمام کیا۔ آپ نے ذاتی طور پر پبلشر حضرات سے رابطے کئے' اور ذاتی تعلق سے لوگوں کے پاس نادر الوجود مصاحف کو نمائش میں جمع کیا۔ یہ تمام مصاحف چونکہ عارضی طور پر اور عاریتاً حاصل کئے گئے تھے' ان کا واپس کیا جانا ضروری تھا' لیکن حافظ صاحب کا ذوقِ قرآنی تقاضا کرتا تھا کہ یہ سب مختلف النوع نسخے ان کی ملکیت ہوں۔ اپنے اس ذوق کی تسکین کی شکل انہوں نے یہ نکالی کہ ان تمام مصاحف کی مائیکرو ویو فلمیں کثیر رقم خرچ کر کے بنوائیں۔

حافظ صاحب کا تعلق بالقرآن ایک نشست یا ایک مضمون کا موضوع نہیں' بلکہ پوری کتاب کا عنوان ہے' جس کے تمام پہلوؤں کے احصاء کے لئے مستقل تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ آپ کے ذاتی ذخیرے میں کچھ مصاحف بھی ایسے ہیں جن پر آپ نے اپنے قلمی نوٹس بھی تحریر کئے ہیں۔ ان نوٹس کی مدد سے آپ کے ذہنی اور تخیلاتی میلانات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حافظ صاحب کے قلم سے نکلی تحریریں کتاب کی شکل میں ہوں یا مضامین کی شکل میں' سب کا مرکزی موضوع قرآن اور متعلقاتِ قرآن ہی ہے۔ اس حوالے سے آپ نے ایک کتاب ''دین وادب'' کے نام سے لکھی۔ کتاب پر پیش لفظ کے عنوان سے آپ لکھتے ہیں:

''یہ تعلّی نہیں' ایک حقیقت ہے کہ الملل والنحل کی فصل آرا والعرب فی الجاھلیۃ کے متن کی صحت وتحقیق اور اس کے معانی ومطالب سے متعلق مشکلات کی صحیح عقدہ کشائی میں اس کتاب اور صرف اس کتاب کو ہی شرفِ سبقت حاصل ہے''۔

اس کتاب میں آپ نے ''مقدمہ مطالعۂ قرآن'' کے عنوان سے درج ذیل موضوعات پر بڑی مفصل اور دقیق بحثیں کی ہیں:

نزولِ قرآن' تدوین وحفاظت قرآن' ترتیب آیات وسُوَر' مکی ومدنی سورتیں اور ان کی خصوصیات' قرآن کا اسلوب بیان اور اس کی زبان' اعجاز القرآن' اہمیت قرآن' فنِ تفسیر اور دورِ اوّل کی اہم تفاسیر۔

اس کے بعد مطالعۂ قرآن کے عنوان کے تحت آپ نے سورۃ آل عمران کا ترجمہ وتفسیر تحریر کیا ہے۔ حقانیت قرآن کے حوالے سے آپ نے بالکل منفرد انداز میں بحث کو پھیلایا اور

سمیٹا ہے جس سے قاری قرآنی تاریخ کی ہمہ جہت سے روشناس ہوتا چلا جاتا ہے اور قرآن کی حفاظت و حقانیت واضح ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ پورا حصہ اس قابل ہے کہ اسے مذکورہ نصاب سے علیحدہ کر کے عام استفادے کے لئے شائع کیا جائے۔ حافظ صاحب نے یہ کتاب اسلامیہ کالج لاہور کے زمانہ تعلیم و تدریس کے دوران لکھی تھی۔ کتاب پر ۷/اکتوبر ۱۹۶۳ء کی تاریخ مندرج ہے۔

قرآن کے حوالے سے حافظ صاحب کی دوسری اہم ترین تصنیف ''دستورِ حیا'' کے نام سے ہے جو دراصل سورۃ النساء کی تفسیر و تشریح پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب رفیق مطبوعات' اردو بازار لاہور کی طرف سے ۱۹۶۴ء میں شائع کی گئی۔ اس کتاب کو آپ نے جامعہ محمدی' ضلع جھنگ کے نام منسوب کیا ہے۔ شروع کے صفحہ پر یہ عبارت درج ہے: ''اھداء..... مادر علمی جامعہ محمدی' ضلع جھنگ کے نام جس کے پاکیزہ دینی و علمی ماحول کے اثرات میرے لئے مشعلِ راہ بنے۔ خاکپائے ابرار حافظ احمد یار''۔

کتاب کا دیباچہ آپ نے ۲۶ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو تحریر فرمایا۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ یہ وہی زمانہ ہے جب پاکستان میں عائلی قوانین کے بارے میں بحث بڑے زور و شور سے جاری تھی۔ علماء کا ایک طبقہ حکومت کی طرف سے منظور کردہ اور نافذ کردہ عائلی قوانین کو یکسر خلافِ شریعت قرار دیتا تھا' جبکہ حکومت اور خواتین کی بعض انجمنیں' مثلاً ''اپوا'' قوانین کو عینِ اسلام قرار دے کر نافذ کرنے کے حق میں تھیں۔ اس ماحول میں حافظ صاحب نے سورۃ النساء کی تفسیر لکھی اور اس موضوع پر خوب تحقیقی بحث کی۔

آپ نے شروع میں سورۃ کا تعارف دیا' جس میں سورت کا زمانہ نزول' تاریخی پس منظر اور اس کے مضامین کے اجمالی خاکہ و ترجمہ کے سلسلے میں آپ خود لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ میں تمام رائج الوقت تراجم و تفاسیر کی خوبیوں کو یکجا کرنے کے لئے ایک نیا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ بین السطور ترجمہ زیادہ سے زیادہ لفظی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ متن کے ساتھ عمودی کالم میں بامحاورہ اور شستہ اور مربوط مسلسل ترجمہ دیا گیا ہے''۔

تراجم کے سلسلے میں جن کتب سے آپ نے مدد لی' وہ حسب ذیل ہیں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ آقائے معز ایرانی' شاہ رفیع الدین' شاہ عبدالقادر' مولوی نذیر احمد' مولانا محمود حسن' مولانا احمد رضا خان' میرزا حیرت کے اردو تراجم قرآن۔

تفسیر کے حوالے سے جن تفاسیر کو آپ نے سامنے رکھا ان میں تفسیر حقانی، تفسیر ماجدی، تفہیم القرآن اور مفہوم القرآن کے حوالے نمایاں ہیں۔ یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ حافظ صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے تحقیقی ذہن ودیعت فرمایا تھا۔ کوئی ایسی بات نہ کہتے نہ لکھتے جس کے بارے میں معلوم وموجود مصادر سے پوری طرح مدد لے کر اپنی رائے قائم نہ کرلیں۔

اہل علم کے لئے یہ بات ہرگز مخفی نہیں کہ قرآن مجید کی کتابت کے لئے رسم عثمانی کی پابندی لازمی ہے۔ جو مصحف اس پابندی سے عاری ہوگا محرف تصور ہوگا۔ رسم عثمانی بہت سے مقامات پر رسم عادی سے مختلف ہے، مثلاً کلمہ رحمان رسم عادی میں رحمان یعنی میم کے بعد الف سے لکھا جاتا ہے، لیکن رسم عثمانی میں رحمٰن میم پر کھڑی زبر سے لکھا جاتا ہے۔ زوالِ علم ایسا ہوا کہ لوگ رسم عثمانی سے بالکل نابلد ہوگئے، حتیٰ کہ پاکستان کی بڑی بڑی جامعات اور دینی مدارس تک اس علم سے خالی ہیں۔ محض ''زیر زبر'' کی اغلاط ہی کو صحت قرآنی کا حوالہ سمجھ لیا گیا ہے۔

خدمتِ قرآنی کے حوالے سے حافظ صاحب مرحوم کا اہم ترین کارنامہ آپ کے وہ مضامین ہیں جو آپ نے صحت متن قرآن کے حوالے سے تحریر فرمائے۔ ان میں سب سے پہلا مضمون آپ نے ۱۹۸۵ء میں تحریر کیا جو فکر ونظر کی جلد نمبر ۲۳، شمارہ نمبر ۴ میں شائع ہوا۔ عنوان تھا: ''پاکستان میں رسم عثمانی پر مبنی نسخۂ قرآن کی اشاعت کی ضرورت''۔

اس مضمون میں حافظ صاحب مرحوم نے لکھا کہ قرآن مجید کی حفاظت کے سلسلے میں اوّل تا آخر دو عوامل کارفرما رہے، ایک درست قراءت اور دوسرے کتابت۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے کتابت مصحف کا سرکاری طور پر اہتمام فرمایا۔ یہ بات طے ہوگئی کہ آئندہ قیامت تک کتابت قرآن میں رسم عثمانی کا اتباع لازم ہے۔ پھر علاماتِ ضبط وغیرہ بھی معرضِ وجود میں آئیں۔ کچھ عرصہ بعد قرآن کی طباعت ایک منافع بخش کاروبار بن گیا اور خصوصاً برصغیر پاک وہند میں بعض غیر مسلم بھی اس کاروبار میں چلے آئے اور اس طرح رسم عثمانی کی پابندی تو کجا، علاماتِ ضبط میں بھی اغلاط زیادہ ہونے لگیں۔ البتہ بعض ناشرین نے اس بات کا اہتمام کیا کہ اغلاط سے مبرا قرآن حکیم شائع کیا جائے۔ اس میں ان کے نزدیک انجمن حمایتِ اسلام کی کوششیں بہت قابلِ قدر ہیں۔

رسم عثمانی سے انحراف کی بنا پر حکومتِ سعودی عرب نے برصغیر میں شائع ہونے والے مصاحف کا داخلہ حرمین الشریفین میں ممنوع قرار دے دیا۔

حافظ صاحب کے بقول اس وقت عالم یہ ہے کہ علاماتِ ضبط ہی کو لوگوں نے رسمِ عثمانی خیال کر لیا ہے جو سراسر غلط ہے۔ لہٰذا انہوں نے حکومتِ پاکستان کی توجہ اس جانب مبذول کرنے کی کوشش کی کہ ایک معیاری نسخہ رسمِ عثمانی کے اتباع میں مرتب کر کے شائع کرے۔

حافظ صاحب کا یہ انتباہ بڑا اہم اور بڑا بروقت تھا۔ اس مضمون کے آخر میں آپ نے واضح طور پر لکھا:

''پاکستان میں رسمِ عثمانی پر مبنی مصحف کی اشاعت کے کام کی آج اتنی ہی شدید ضرورت ہے جیسی مصحف عثمانی کی تیاری کے لئے پیش آئی تھی''۔

(''فکر و نظر'' اپریل تا جون ۱۹۸۵ء)

اس سلسلے کا دوسرا مفصل مضمون حافظ صاحب نے ۱۹۸۷ء میں تحریر فرمایا جس کا عنوان ''کتابت مصاحف اور علم الضبط'' تھا۔ ملک کے معروف تحقیقی جریدہ سہ ماہی ''فکر و نظر'' کی اشاعت اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء اسی مضمون پر مشتمل ہے جو ٹائپ میں بڑی تقطیع کے ستتر (۷۷) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ پورا مضمون بہت علمی ہے جس میں علم الضبط کی وضاحت کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک میں مستعمل رموزِ ضبط کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ مضمون پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ علم الضبط ممالک اسلامیہ میں یکساں نہیں بلکہ ہر علاقے کا مختلف ہے' جو وہاں کے لوگوں کی سہولت کے لئے اختیار کیا گیا ہے' جس سے اس علاقے کے لوگ مانوس ہیں جس کے لئے وہ وضع کیا گیا یا وضع ہو گیا۔ لہٰذا ضبط کے اختلاف سے حفاظتِ قرآن ہرگز متاثر نہیں ہوتی۔ ایسا سمجھنا عدم واقفیت کی علامت ہے۔

اسی سلسلے کا اگلا مضمون آپ نے ۱۹۸۸ء میں تحریر کیا جو کہ ''فکر و نظر'' اپریل تا جون ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان ''کتابت مصاحف اور علم الرسم'' تھا۔ یہ مضمون بھی خاصا طویل ہے۔ اس مضمون میں حافظ صاحب مرحوم نے علم رسم کی تعریف و توضیح بھی کی ہے اور اس حوالے سے علماء کے مختلف مواقف و نظریات کو زیرِ بحث لانے کے بعد منطقی استدلال فرماتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ حافظ صاحب مرحوم نے جس خطرے کا احساس ۱۹۸۵ء میں کیا تھا اور جس سے بچنے کے لئے اسلامی حکومتوں کو عموماً اور حکومتِ پاکستان کو خصوصاً جو تجاویز دی تھیں' وہ خطرہ ۱۹۹۹ء میں درست ثابت ہوا اور رسم عثمانی کا علم نہ ہونے کی بنا پر پاکستان کے ایک عالم دین نے ''قرآن مجید تحریف کی زد میں'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ چونکہ موصوف علم الرسم اور علم الضبط سے نابلد تھے چنانچہ انہوں نے علاماتِ ضبط

کے فرق کو ''تحریف فی القرآن'' قرار دے دیا۔ موصوف سہو کاتب اور تحریف میں بنیادی فرق کو بھی ملحوظ نہ رکھ سکے۔ انہوں نے تمام مطابع اور تمام کمپنیوں کے مطبوعہ نسخہ ہائے قرآن کو محرف قرار دے دیا۔ یہ بات ملکی پریس میں گئی۔ سرکاری اداروں کو امن سے نہیں' سکون سے دلچسپی ہوتی ہے۔ وزارتِ مذہبی امور نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ قرآن پاک شائع کرنے والی تمام کمپنیوں پر پابندی عائد کر دی۔ اب پاکستان میں قرآن کو چھاپنا' شائع کرنا آسان کام نہیں رہا۔ اگر حافظ صاحب کے انتباہ کو ۱۹۸۵ء میں پذیرائی دی جاتی تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

حافظ صاحب قلم اور کتاب کے آدمی تھے۔ دونوں کا ساتھ مرتے دم تک نہ چھوڑا۔ قرآن اور متعلقاتِ قرآن حافظ صاحب کا من پسند موضوع تھا۔ قرآن مجید کی حقانیت و حفاظت کے بارے میں مستشرقین جو نئی نئی باتیں گھڑتے رہتے تھے' حافظ صاحب ان کا تعاقب کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اس ٹوہ میں رہتے کہ مستشرقین اور نام نہاد محقق قرآن پر کیا کیا اعتراضات کرتے ہیں اور تحقیق کے نام پر کہاں کہاں نیش زنی کرتے ہیں۔ اس حوالے سے یورپ سے آنے والی ہر نئی کتاب کی تلاش میں رہتے۔ اعتراضات کو پڑھتے' کھنگالتے اور پھر اس کے جوابات بھی لکھتے تھے۔ اس معاملے میں وہ اتنے باریک بین واقع ہوئے تھے کہ ان کی نگاہیں ہمیشہ تہہ تک پہنچتی تھیں اور وہ مستشرقین کے اصل مقاصد کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑتے۔ اس حوالے سے انہوں نے ایک مضمون بعنوان ''صلیبیوں اور صہیونیوں کی قرآن دشمنی'' اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر ہی سپردِ قلم کیا۔ غالباً یہ مفصل مضمون ان کی زندگی کی آخری تحریر ہے۔ اس مضمون کی ایک ہی قسط ماہنامہ ''حکمت قرآن'' اور ماہنامہ ''التجوید'' میں شائع ہوئی۔

حافظ احمد یار مرحوم آخری ایام میں ''لغات و اعراب قرآن'' کے عنوان سے قرآن کی تفسیر لکھ رہے تھے کہ وقتِ اجل آن پہنچا۔ آپ کی یہ تفسیر ماہنامہ ''حکمت قرآن'' میں بالاقساط قریباً دس برس تک (۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۸ء) شائع ہوتی رہی۔ آپ ابھی ۱۱۰ آیات ہی پر پہنچے تھے کہ موت نے یہ علمی سلسلہ منقطع کر دیا۔

ہماری دانست میں اس موضوع پر اس کام کی تکمیل کرنے والا اب کوئی شخص نہیں ہے' کیونکہ اس موضوع کے حوالے سے حافظ احمد یار صاحب کے اس کام کو پایۂ تکمیل تک لے

(باقی صفحہ 63 پر)

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتابچہ : اُمت مسلمہ کے موجودہ مسائل اوران کا حل (سیرتِ طیبہ کی روشنی میں)

مصنف : ڈاکٹر صہیب حسن

ضخامت : 36 صفحات ۔ قیمت : درج نہیں

ناشر: جمعیت اہل حدیث لندن

Masjid Al-Tawhid, 80 High Road, Leyton,
London E15 2BP

ڈاکٹر صہیب حسن ممتاز عالمِ دین ہیں اور مولانا عبدالغفار حسن حفظہ اللہ کے فرزند ارجمند ہیں۔زیرتبصرہ کتابچہ دراصل ان کا ایک مقالہ ہے' جو بہاولپور اسلامی یونیورسٹی میں ۲۰۰۴ء میں ہونے والی سالانہ کانفرنس کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔

دورِ حاضر میں اُمت مسلمہ جس زبوں حالی میں مبتلا اور مسائل سے دوچار ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہر دردمند مسلمان اس صورت حال سے پریشان اور متفکر ہے۔غیر مسلم اپنی مادی ترقی اور قوت کے بل بوتے پر اُمت مسلمہ کو دہشت گرد قرار دے کر ظلم وزیادتی کا نشانہ بنا رہے ہیں۔مسلمان ممالک انتہائی بے بسی کے عالم میں مظلومیت کا شکار ہیں۔مغربی استعماریت یہاں تک بے باک ہو چکی ہے کہ ایک ایک کر کے مسلم ممالک پر بارود برسا رہی ہے اور پُرامن شہریوں کو موت کی وادی میں دھکیل رہی ہے۔

اس کتابچے میں فاضل مصنف نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے زوالِ اُمت کے اسباب تحریر کئے ہیں اور پھر سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ان کا حل بھی بتایا ہے۔اُن کا تجزیہ حقیقت پسندانہ ہے جس کا مختصر خلاصہ اس طرح ہے کہ بحیثیت مجموعی اُمت مسلمہ نے اسلامی تہذیب و روایات سے منہ موڑ لیا ہے اور مادر پدر آزاد حیا باختہ تمدن کی طرف رخ کر لیا ہے۔مسلمان ممالک میں قرآن وسنت کا قانون نافذ نہیں۔مسلمان اولادِ آدم کے مقصدِ تخلیق کو فراموش کر بیٹھے ہیں اور استخلاف فی الارض کے وعدے کی شرائط پر پورے نہیں اتر رہے۔اُن کے عقائد

میں شرک و بدعت داخل ہو چکے ہیں۔ اللہ پر توکل بھول چکے ہیں۔ عیش و عشرت میں پڑ کر مسلم حکمران دشمن اسلام اقوام کی تیاریوں سے غافل ہیں' حالانکہ انہیں قرآن حکیم میں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عسکری قوت کو مضبوط رکھیں۔ آپس میں تفرقہ بازی نے اسلامی اُخوت پر ضرب کاری لگائی ہے اور مسلمان اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنے کی بجائے اختلاف و انتشار کا شکار ہیں۔ ان ساری خرابیوں کی وجہ سے مسلمان جہاد سے منہ موڑ چکے ہیں' حالانکہ جہاد کا حکم قرآن میں بار بار آیا ہے۔ اس زبوں حالی سے نکلنے کا بس ایک ہی راستہ ہے کہ مسلمان قرآن و سنت پر عمل پیرا ہو کر صحیح مسلمان بنیں' اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں' جدید ترین ٹیکنالوجی تک رسائی حاصل کر کے اپنا دفاع مضبوط کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں اور پچھلی کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کے لئے ربّ العالمین کی طرف رجوع کریں۔ دعاؤں کے ساتھ مثبت طرزِ عمل بھی اختیار کریں۔ کتابچہ اعلیٰ آرٹ پیپر پر شائع کیا گیا ہے۔ کمپوزنگ کی چند ایک اغلاط موجود ہیں۔

(۲)

نام کتابچہ : دربارِ الٰہی کے آداب

مصنف : ڈاکٹر صہیب حسن

ضخامت : 40 صفحات ۔ قیمت : درج نہیں

ناشر: جمعیت اہل حدیث لندن

ڈاکٹر صہیب حسن ممتاز عالم دین ہیں۔ لندن کی ایک مسجد ''مسجد التوحید'' کی انتظامی کمیٹی کے صدر ہیں۔ یہ مسجد ۱۹۸۴ء میں ایک چھوٹے سے مکان میں شروع ہوئی' بعد ازاں ایک پرانی بلڈنگ خرید کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کی گئی۔ خوبصورت مسجد دو منزلوں پر مشتمل ہے۔ اس میں تین ہال ہیں' جو ایک ہزار نمازیوں کے لئے کافی ہیں۔ مسجد کے زیر اہتمام دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہو رہا ہے۔ مَردوں کے علاوہ عورتوں اور بچوں کی تعلیم کے لئے باقاعدہ کلاسز کا اہتمام بھی ہے۔

اسلامی معاشرے میں مسجد اللہ کی عبادت کا مرکز ہے۔ ہر عاقل و بالغ اور آزاد مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ دن رات میں پانچ دفعہ مسجد جائے اور اللہ کے ذکر اور عبادت سے مسجد کو معمور اور آباد رکھے۔ مسجد اللہ کا گھر کہلاتا ہے۔ یہاں حاضری دینے کے کچھ آداب ہیں

جنہیں جاننا نہایت ضروری ہے۔ ان آداب کی تفصیل اسلامی لٹریچر میں بکثرت موجود ہے۔ ان ہی آداب کو مختصر مگر جامع صورت میں مصنف نے یکجا کر دیا ہے۔ چنانچہ آداب مسجد کے متعلق تمام ضروری معلومات اس مختصر کتابچے میں موجود ہیں۔

یہ کتابچہ اردو کے ۱۸ اور انگریزی کے ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس طرح نہ صرف انگریزی خواں' بلکہ اردو جاننے والے بھی اس سے کماحقہٗ استفادہ کر سکتے ہیں۔ کتابچہ آرٹ پیپر پر طبع کیا گیا ہے۔ کمپوزنگ کی چند ایک اغلاط بھی ملتی ہیں' جن کی تصحیح آئندہ ایڈیشن میں ہو جانی چاہئے۔ کتابچے کا ٹائٹل جاذبِ نظر ہے۔

نوٹ: مندرجہ بالا دونوں کتابچے جمعیت اہل حدیث لندن نے شائع کئے ہیں۔ جو حضرات یہ کتابچے حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ازراہِ کرم پبلشر سے براہِ راست رابطہ کریں' ادارۂ حکمت قرآن یا مکتبہ خدام القرآن کو زحمت نہ دیں!

بقیہ: حافظ احمد یارؒ

جانے کے لئے کسی ایسے عالم کی ضرورت ہے جو بیک وقت علم الرسم' علم الضبط اور علم الفقہ کا ماہر ہی نہ ہو بلکہ ان علوم میں گہرا درک رکھتا ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ کسی ایسی ہمہ گیر و ہمہ جہت علمی شخصیت کی تلاش اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔

حافظ صاحب مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں بیشتر کتب قرآنی علوم ہی سے متعلق ہیں جو ان کی وفات کے بعد کسی محسن کی تلاش میں ہیں۔ آپ کے لواحقین' خصوصاً آپ کے بیٹے ڈاکٹر نعم العبد اور کرنل ذوالقرنین سے میری درخواست ہے کہ وہ اکابر اہل علم کے مشورے سے حافظ صاحب کے ذخیرۂ کتب کا صحیح مصرف تلاش کریں' تاکہ حافظ صاحب مرحوم کی روح آسودہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی عمر بھر کی علمی جمع پونجی کرمِ کتابی کی خوراک کا ذریعہ بن جائے۔ ان کے لواحقین کو اس بات سے بھی باخبر رہنا چاہئے کہ حافظ صاحب کی کتابیں کسی ایسے شکاری کے ہتھے بھی نہ چڑھ جائیں جو علم کو سیروں' منوں میں تولتا ہے اور اس تول کا مول وصول کرتا ہے۔ ایسے شکاری کرمِ کتابی سے بھی زیادہ خطرناک ہوا کرتے ہیں۔

بقیہ: حرفِ اوّل

بالکل آغاز ہی سے دو قسم کے رویئے ظاہر ہوئے۔ ایک گروہ نے قرآن کی آیات اور احادیث صحیحہ میں بیان کردہ تعلیمات کو ماننے اور اختیار کرنے میں سلف یعنی صحابہ و تابعین کی پیروی کی اور اپنی رائے یا عقلی دلیل پر نصوص کو ترجیح دی اور اس بات کی کچھ پرواہ نہ کی کہ نصوص کی تعلیمات اور سلف کے عقیدے عقلی قاعدوں کے موافق ہیں یا مخالف۔ اس طرزِ عمل نے اہل سنت کے عقائد اور تشریحات کی شکل میں دین کو اپنی اصل پر برقرار رکھنے کا ایک ایسا مؤثر ذریعہ بنا دیا جو اسلامی تعلیمات کی تا قیامت بقا کا ضامن ہے۔ دوسرے گروہ نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ جہاں بزعم خویش قرآن کی کوئی بات یا حدیث کا کوئی بیان یا سلف کے عقیدے کا کوئی جزء انہیں عقلی اصول کے خلاف معلوم ہوا تو اس کی تاویل کر کے ظاہری معنی سے پھیر دیا اور علم معقول کے قاعدوں کے مطابق رائے اختیار کرنا چاہی۔ یہ رویہ تاویل نصوص میں بے مہار لچک کا موجب بنا اور فرقہ وارانہ اختلافات کا سبب ہوا۔

اسرارِ دین کے متلاشیان کے لئے اس امر کا لحاظ از بس ضروری ہے کہ کُل دین کو ایک اکائی کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہوئے قرآن و حدیث کی تعلیمات کو قبول کیا جائے اور انہیں علم معقول کے قاعدوں پر فائق رکھا جائے۔ بصورتِ دیگر دین ایک ایسی موم کی ناک ہے جسے مزاج، حالات اور ضرورتوں کی بھینٹ چڑھا کر جس طرف چاہیں موڑ دیں اور جب چاہیں دینی مسلمات کو متنازعہ یا مختلف فیہ کے عنوان سے غیر معتبر کر دیں۔

قرآن اکیڈمی لائبریری میں توسیع و اضافہ

قرآن اکیڈمی لاہور میں شعبہ تحقیق اسلامی کے قیام کے بعد قرآن اکیڈمی لائبریری کے ذخیرۂ کتب میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی صاحب اسلامی موضوعات پر اپنی ذاتی لائبریری کی کتابیں عطیہ دینا چاہیں تو رابطہ فرمائیں:

حافظ عاطف وحید، انچارج شعبہ تحقیق اسلامی

قرآن اکیڈمی، 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-5869501

عام طور پر ہمارے یہاں

توحید علمی و نظری ـــــ یعنی ـــــ توحید فی العقیدہ

پر تو بہت زور دیا جاتا ہے' لیکن

توحیدِ عملی

پر کما حقہ توجہ نہیں دی جاتی

ڈاکٹر اسرار احمد

پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ زمر ـــــ تا ـــــ سورۂ شوریٰ پر تدبر کے دوران

توحیدِ عملی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں

یعنی: اخلاص فی العبادت اور اقامت دین کی فرضیت

کو خوب منکشف بھی فرمایا اور بیان کی توفیق بھی مرحمت فرمائی' اور

شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم کی محنت نے ان خطابات کو کتابی صورت دے دی

اب کمپیوٹر کمپوزنگ پر' نئے گٹ اپ کے ساتھ' نظر ثانی شدہ ایڈیشن

قیمت اشاعت خاص: 100 روپے ' اشاعتِ عام: 60 روپے

شائع کردہ:

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501